بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف
(اقبالؔ)

ربوبیت الٰہیہ
اور
بعثت انبیاء

تالیف

فکر اسلام حضرت علامہ مظفر حسن صاحب ظفرؔ ادیبی

ناشر

پسران حضرت علامہ ظفرؔ ادیبی صاحب، مبارکپور ضلع اعظم گڑھ (یو پی)
PHONE : (05462) 250142, 252927



ربوبیتِ الٰہیہ

اور

بعثتِ انبیاء

تالیف

مفکرِ اسلام حضرت علامہ مظفر حسن صاحب ظفر ادیبی

ناشر

پسرانِ حضرت علامہ ظفر ادیبی صاحب مبارک پور اعظم گڑھ یو۔پی 276404
فون: 250142 ، 252927

کتاب	ربوبیتِ الٰہیہ اور بعثتِ انبیاء
تالیف	مفکرِ اسلام حضرت علامہ مظفر حسن صاحب ظفؔر ادیبی
پروف ریڈنگ	حضرت مولانا ڈاکٹر نثار احمد اعظمی مبارکپوری
کمپوزنگ	مہتابؔ پیامی
	رونق کمپیوٹر سنٹر، پورہ رانی، مبارک پور
	اعظم گڑھ، یو۔پی۔۲۷۶۴۰۴
ٹائٹل	ماسٹر احتشام اختر۔فارینا کمپیوٹر مبارک پور
طبعِ اول	جولائی ۲۰۰۴ء مطابق جمادی الآخر ۱۴۲۵ھ
تعداد	۱۰۰۰ (ایک ہزار)
ناشر	پسرانِ مفکرِ اسلام حضرت علامہ ظفر ادیبی صاحب قبلہ
	مبارک پور، اعظم گڑھ (یو۔پی۔)

انتساب

میں اپنی اس کتاب کو

ان مخلص مسلمانوں کے نام سے منسوب کرتا ہوں

جو اسلام کو کتاب وسنت کی روشنی میں

سمجھنا چاہتے ہیں

اور

مسلمانوں کے اصلاحِ حال کے آرزومند ہیں

میری دعاء ہے کہ

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو

کتاب وسنت کا پابند بنائے

اور

سلفِ صالحین کے طریقہ پر چلنے کی توفیق بخشے (آمین)

مظفر حسن ظفرؔ ادیبی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم

مقدمہ

میری کتاب ''ربوبیتِ الٰہیہ اور بعثتِ انبیاء'' بظاہر دو علیحدہ علیحدہ موضوعات پر مشتمل نظر آتی ہے۔ لیکن در حقیقت کتاب کا ایک ہی موضوع ہے ربوبیتِ الٰہیہ''۔ وحی و تنزیل، نبوت و رسالت ربوبیت ہی کی مقتضیات ہیں۔ خالقِ کائنات نے اپنی ربوبیت کے اقتضا سے جس طرح کائنات کو وجود بخشا ہے اور ہر وجود کی زندگی و بقا کے لیے تمام ضروری وسائل فراہم کر دیے ہیں، اسی طرح ہدایت و رہنمائی بھی ربوبیت ہی کا اقتضا ہے۔ اگر ہدایت نہ ہوتی تو کوئی شے وجود میں آنے کے بعد زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی ہے کہ مچھلی کے بچے انڈوں سے باہر آتے ہی سلیقہ سے تیرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ہدایت و رہنمائی کے مختلف درجات ہیں، جن پر میں نے کتاب میں تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور واضح کیا ہے کہ عقل کی رہنمائی بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھتی۔ انسان فطرتاً نبوت و رسالت کا محتاج ہے......

پہلے مغربی مفکرین نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کو یکسر نظر انداز کر دینے کی کوشش کی۔ مستشرقین کے نام سے ایک متعصب طبقہ پیدا ہوا جس نے آپ کی پاکیزہ سیرت کو داغ دار کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن چاند پر کون خاک ڈال سکتا ہے؟ جوں جوں علم میں وسعت پیدا ہوتی گئی لوگوں کے سامنے حقیقت جلوہ گر ہوتی گئی۔ بالآخر آج مغرب کے دانشوروں کا ایک بڑا طبقہ محمد عربی ﷺ کی عظمت کا کھلے دل سے اعتراف کر رہا ہے۔ ان میں بہت نمایاں شخصیت مائیکل ہارٹ کی ہے۔ مائیکل ہارٹ نے اپنی کتاب دی ہنڈریڈ (The Hundred) میں تاریخِ انسانی کی سو ایسی شخصیتوں کا انتخاب کیا ہے جنھوں نے انسانیت پر زبردست اور غیر معمولی اثرات مرتب کیے ہیں اور جب اثرات

کے لحاظ سے ترتیب دینے بیٹھا تو باوجود عیسائی ہونے کے پیغمبرِ اسلام ﷺ کو سرِ فہرست نہ رکھنے کی جرأت نہ کرسکا۔ عیسائی دنیا کے متوقع اعتراض کے پیشِ نظر اس نے دیباچہ میں دلائل سے ثابت کردیا کہ آپ کے علاوہ کوئی اور سرِ فہرست نہیں آسکتا۔

مائیکل ہارٹ کی کتاب سے مغرب میں کافی ہلچل ہوئی۔ لوگوں نے ناگواری کا اظہار کیا۔ مگر انصاف پسند اربابِ دانش نے مائیکل کے دلائل کو تسلیم کیا۔ مغربی دانشوروں کے مزید اقوال ملاحظہ کیجیے:

امریکی مصنف ڈاکٹر ایچ مائیکل ہارٹ لکھتا ہے: ''محمد (ﷺ) تاریخ کی ایسی بے مثل شخصیت ہیں جو مذہبی اور سیکولر دونوں ہی سطح پر شاندار کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔''

فرانس کا عظیم ترین جرنل نپولین بوناپارٹ لکھتا ہے: ''محمد (ﷺ) دراصل سرورِ اعظم تھے۔ آپ نے اہلِ عرب کو درسِ اتحاد دیا۔ ان کے آپس کے تنازعات و مناقشاب ختم کیے۔ تھوڑی ہی مدت میں آپ کی امت نے آدھی دنیا کو فتح کرلیا۔ چند سال کے قلیل عرصہ میں لوگوں کی کثیر تعداد نے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ کرلی۔ مٹی کی بنی ہوئی دیویاں مٹی میں ملادی گئیں۔ یہ حیرت انگیز کارنامہ تھا آنخضرت (ﷺ) کی تعلیم کا۔''

انگریز مصنف، مورخ و مفکر ٹامس کارلائل لکھتا ہے: ''ہم کسی طرح حضرت محمد (ﷺ) کو حریص اور منصوبہ باز اور ان کی تعلیمات کو جہل اور نادانی نہیں سمجھ سکتے۔ وہ پیغام جو آپ (ﷺ) لے کر آئے تھے، بالکل سچا تھا۔ وہ ایک آواز تھی جو پردۂ غیب سے بلند ہوئی۔ اس شخص کے نہ اقوال جھوٹے تھے نہ افعال، اس میں تنگ نظری اور نمائش کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ زندگی کا ایک نور تھا جو خاص سینۂ فطرت سے ہویدا ہوا اور جسے خالقِ عالم نے کائنات کو منور کرنے کے لیے بھیجا تھا۔''

ہندوستان کے مشہور سیاسی لیڈر مہاتما گاندھی لکھتے ہیں: ''مجھے اس بات کا یقین ہوچکا ہے کہ اسلام نے تلوار کے ذریعہ اپنا مقام نہیں بنایا، کیوں کہ اس دور کے حالات اس کے لیے سازگار نہیں تھے۔ اصل میں رسول خدا کی انتہائی سادگی اور اپنے آپ کو مٹادینے کی حد تک وقف کردینے، وعدوں کو وفا

کرنے ، اور انس و محبت ، اپنے دوستوں اور پیروں کے ساتھ ان کی بے خوفی ، خدا اور اپنے مشن پر مکمل اعتقاد کے سبب انھیں کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ ان باتوں کی وجہ سے ہر اڑچن دور ہوئی اور تمام مشکلات رفع ہوئیں اور آپ نے فتح پائی ، نہ کہ تلوار کے بل بوتے پر کامیابی حاصل کی۔"

مشہور عیسائی مورخ ریورنڈ باسورتھ سمیتھ لکھتا ہے: "مذہب اور حکومت کے رہنما اور گورنر کی حیثیت سے پوپ اور قیصر کی دو شخصیتیں حضرت محمد (ﷺ) کے ایک وجود میں جمع تھیں۔ آپ پوپ تھے مگر پوپ کی ظاہر داری سے پاک۔ آپ قیصر تھے مگر قیصر کے جاہ و حشم سے بے نیاز۔ اگر دنیا میں کسی شخص کو یہ کہنے کا حق ہے کہ اس نے باقاعدہ فوج کے بغیر صرف خدا کے نام پر دنیا میں امن وانتظام قائم کیا تو وہ صرف حضرت محمد (ﷺ) ہیں۔ آپ کو اس ساز و سامان کے بغیر ہی سب کی سب طاقتیں حاصل تھیں۔ (بحوالہ دعوت خاتم الانبیاء نمبر)

آج مغربی دنیا میں بہت بڑی تعداد ایسے دانشوروں کی موجود ہے، جن کے دلوں میں اسلامی صداقت کا احساس پیدا ہو چلا ہے لیکن قبولِ حق کی راہ میں کچھ رکاوٹیں ہیں جو عوام کو اسلام کے قریب آنے سے روک رہی ہیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے دبیز پردے حائل کر دیے گئے ہیں جس کی بنا پر اہلِ مغرب اسلام کے حقیقی جمال کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔

پہلا حجاب وہ تعصب ہے جو اہلِ کلیسا نے صدیوں پہلے ایک منظم سازش کے تحت عیسائیوں کے ذہنوں میں بڑی ہوشیاری کے ساتھ بیٹھا دیا تھا، اور وہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ لوگوں کو باور کرایا گیا کہ اسلام اور مسلمان حضرت مسیح علیہ السلام اور عیسائیوں کے سخت دشمن ہیں۔ یہ ایک ایسا افتراء اور غلط بہتان ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جو ادب و احترام ایک مسلمان کرتا ہے وہ کوئی عیسائی بھی نہیں کرتا۔ آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی کوئی مسلمان علیہ السلام کہے بغیر نہیں لے سکتا۔ اس احترام سے عیسائی دنیا عاری ہے۔ دوسرا زبردست حجاب امریکہ اور یورپ کے سیاست دانوں کا انداز فکر ہے۔ اپنے سوا دوسری تمام اقوام و ملل کو اپنا تابع اور مطیع بنانا ان کی خو ہے۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نہایت رکیک پروپیگنڈے کرتے رہتے ہیں اور اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ کسی

طرح مسلمانوں کی قیمتی املاک اور ان کے قدرتی وسائل پر قبضہ کرنے کا بہانا ہاتھ آجائے۔ اس کی تازہ مثالیں افغانستان اور عراق کے المناک حادثات ہیں۔ سیاست دانوں کے تعصب کا اس سے اندازہ کیجیے کہ گزشتہ سال گڈ فرائی ڈے کے موقع پر ریفر نکلسن نے اسلام کے خلاف انتہائی جارحانہ انداز میں تقریر کی۔ اسلام کو نہایت برا اور شر انگیز مذہب بتایا اور کہا کہ اسلام ساری دنیا پر طاقت کے بل بوتے اقتدار کا خواہاں ہے۔

الغرض اپنے عوام کو اسلام سے دور رکھنے کے لیے مغرب کے سیاست داں اور جرنلسٹ فضا کو زہر آلود کر رہے ہیں جس کے نتیجے میں دنیا کسی بھیانک انجام سے دوچار ہوسکتی ہے۔ خدا اس سے بچائے

تیسرا سبب سے دبیز و کثیف حجاب حضرت علامہ جمال الدین افغانی علیہ الرحمہ کے بقول اس دور میں مسلمانوں کا ناگفتہ بہ حال ہے۔ دینِ اسلام سے ان کا جہل، مصالحِ دنیا سے بے خبری، غیر اسلامی طرزِ معاشرت سے وابستگی اور اخلاقی اقدار سے تہی دامنی، یہ وہ واضح اسباب ہیں جن کی بنا پر مسلمان روز بروز پستی وانحطاط سے دوچار ہوتا جارہا ہے۔ مسلمان کو باوقار اور آبرومندانہ زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنے آپ کو اسوۂ حسنہ کی روشنی میں کتاب وسنت کے ڈھانچے میں ڈھالے اور اسی کے ساتھ یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ مسلمان اخبارات ولٹریچر س کے ذریعہ ساری دنیا کو بالخصوص اہلِ مغرب کے سامنے اسلام کو اصلی صورت میں پیش کرے اور کتاب وسنت اور مستند تواریخ کے ذریعہ یہ واضح کرے کہ اسلام میں دہشت گردی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ امن وسلامتی کا مذہب ہے اور اسلام میں انسانی حقوق کا جو احترام ہے وہ کسی سیکولر نظام میں بھی نہیں ہے۔

مظفر حسن ظفر ادیبی

۱۱ر جولائی ۲۰۰۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

میرے احساسات

زیرِ مطالعہ کتاب سے پہلے میری تین کتابیں آپ کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں۔ اس سے قبل تالیف میں جن سراپا خلوص معاونین کا مجھے تعاون حاصل تھا، بحمدہٖ تعالیٰ انھیں مخلصین کا اس کتاب کی تصنیف میں مجھے پھر تعاون میسر رہا۔ میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمانی کا ممنون ہوں کہ انھوں نے کچھ ایسی ضروری اور نایاب کتابیں مہیا کیں جن کی بے حد ضرورت تھی۔ اور مولانا ڈاکٹر نثار احمد صاحب کا میں کن لفظوں میں شکریہ ادا کروں، اس کے لیے مناسب الفاظ نہیں ملتے۔ موصوف حسبِ سابق صبح سویرے غریب خانے پر تشریف لاتے اور گھنٹوں رہ کر تبیض کا کام انجام دیتے اور رات میں کافی دیر تک کمپیوٹر کے پاس بیٹھ کر کتابت کی نگرانی کرتے۔ کتاب کی تکمیل تک موصوف کا یہی معمول رہا۔

اس کتاب کی طباعت کا اہم کام ڈاکٹر حاجی ریاض احمد، حاجی حسین احمد و حاجی ارشاد احمد صاحبان نے اپنے ذمہ لیا۔ ان لوگوں نے اپنے والدِ ماجد جناب حاجی غلام حسین صاحب مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے کتاب کو مفت عوام تک پہنچانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ ان حضرات کی بڑی سعادت مندی ہے کیوں کہ انتقال کے بعد والدین کو راحت پہنچانے کا یہی ذریعہ ہے کہ اولاد نیک عمل کرے۔ چوں کہ یہ کتاب ان حضرات کے توسط سے قارئین تک پہنچے گی، جس سے وہ فائدہ اٹھائیں گے، اس لیے مرحوم حاجی غلام حسین صاحب کے حق میں یہ عمل صدقۂ جاریہ ہوگا

حاجی غلام حسین صاحب مرحوم محلّہ پرانی بستی مبارکپور ضلع اعظم گڑھ کے مشہور اور عوام وخواص کے درمیان یکساں مقبول صنعت کار تھے۔ ان میں کچھ ایسی خصوصیات تھیں جو کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ وہ قصبہ کے کافی متمول لوگوں میں شمار ہوتے تھے لیکن دولت وثروت کے باوجود ان میں امیروں کی طرح تمکنت نہیں تھی۔ اور ان کی یہ خصوصیت بڑی نمایاں تھی کہ سلام میں کوئی مشکل ہی سے ان پر سبقت لے جاتا، وہ سلام میں ہمیشہ پہل کیا کرتے تھے۔ میرے ساتھ ان کے تعلقات ہر دور میں خوش گوار رہے۔ مجھے ان کی جب بھی یاد آتی ہے دل میں ایک کسک سی پیدا ہوتی ہے۔ میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمتوں سے نوازے اور ان کے صاحب زادگان کو نیک عمل کی توفیق بخشے۔ (آمین)

مظفر حسن ظفرؔ ادیبی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمين ، والصلاة والسلام على سيد الانبياء و المرسلين ، نبينا محمد و على آله و صحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين أما بعداعوذ بالله من الشيطن الرجيم ۔ بسم الله الرحمن الرحيم۔ اَلَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۔ وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى۔ (سورہ اعلیٰ:۲-۳)

ترجمہ:- وہ پروردگار، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اسے ٹھیک ٹھیک درست کر دیا اور جس نے ہر وجود کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا اور پھر اس پر راہ عمل کھول دی۔

ربوبیتِ الٰہیہ

الحمد لله رب العلمين ! اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں صفتِ ربوبیت سب سے واضح و نمایاں ہے۔ اس کے ادراک کے لیے فلسفہ و منطق کی ضرورت نہیں ہے، چاہے کسی نے مدرسہ و مکتب میں قدم بھی نہ رکھا ہو، تہذیب و تمدن کی تمام سرگرمیوں سے بہت دور صحرا نشیں ہو لیکن انسان ہے۔ اللہ نے اس کو عقل و شعور بخشا ہے۔ وہ بارانِ رحمت کی ایک ایک بوند میں اللہ کی ربوبیت و رحمت کے جلوے دیکھ سکتا ہے۔ کوئی اس حقیقت کو کیوں کر نظر انداز کر سکتا ہے کہ کائنات میں بے شمار مخلوقات پائی جاتی ہیں۔ ان کے مزاج و طبائع ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، لیکن ہر ایک کے لیے یکساں پرورش کا انتظام موجود ہے۔ حقیر

سے حقیر مخلوق سے لے کر شیر، چیتے، ہاتھی، گینڈے سب کو اپنی طبیعت و مزاج کے مطابق رزق مل رہا ہے۔ سب کے لیے آغوشِ ربوبیت وا ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا. (سورہ ھود:۶)

زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کے رزق کا اللہ کفیل و ذمہ دار ہے۔

یہ اقتضائے ربوبیت کے منافی ہے کہ اللہ کسی مخلوق کو پیدا تو کر دے لیکن اس کی بقا و پرورش کا کوئی انتظام نہ کرے اور صرف یہی نہیں کہ زندگی کے لیے جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ سب مہیا کر دی ہیں۔ بلکہ زندگی و بقا کے لیے جن چیزوں کی جتنی زیادہ ضرورت ہے، اس کا وجود اتنا ہی عام اور اس کا حصول اتنا ہی آسان ہے۔ دیکھیے! ہوا کے بغیر کوئی جاندار مخلوق چند منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتی تو اللہ نے زمین کے گرد ہوا کا ایک دبیز غلاف ڈال دیا ہے۔ زمین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں ہوا موجود نہ ہو۔ اس کے لیے آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے، آپ جہاں بھی ہوں، جس حال میں ہوں، سانس لے رہے ہیں۔ اور کاروانِ حیات قدم بہ قدم آگے بڑھ رہا ہے۔

پانی کی ضرورت ہوا سے کم لیکن غذا سے زیادہ ہے۔ پانی کے بغیر نہ غذا تیار ہو سکتی ہے اور نہ آپ کچھ کھا سکتے ہیں۔ اس کے لیے کچھ محنت کرنی پڑتی ہے۔ زمین کے اندر قدرت نے پانی کی سوتیں جاری کر دی ہیں۔ کنواں کھود کر یا پائپ ڈال کر پانی حاصل کر سکتے ہیں۔ زمین کے اوپر ہر طرف دریا رواں ہیں، عموماً دریا بارش کے بعد بھی جاری رہتے ہیں۔ اس کے لیے قدرت کا انتظام دیکھیے! سردیوں کے موسم میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف جمتی رہتی ہے اور پھر جب گرمیوں کا موسم آتا ہے تو برف پگھلنا شروع ہو جاتی ہے اور وہی پانی چشمہ و دریا میں پہنچ کر جاری رہتا ہے۔

ہو کے پانی جو برف جمتی ہے

چشمہ و نہر میں وہ جاری ہے

یہ سب ربوبیت کی کرشمہ سازی ہے۔ خدائے علیم وحکیم کی کارفرمائی پر غور کرو! دور دراز سمندروں سے کس طرح ہم تک پانی پہنچاتا ہے۔ ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ کَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ کِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ، فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ. (الروم:۴۸)	یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ پہلے ہوائیں چلتی ہیں، پھر ہوائیں بادلوں کو حرکت میں لاتی ہیں۔ پھر وہ جس طرح چاہتا ہے انھیں فضا میں پھیلا دیتا ہے اور انھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ بادلوں سے پانی نکل رہا ہے اور جنھیں اللہ چاہتا ہے ان بندوں پر وہ پانی برساتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

پانی ہر جاندار مخلوق کا بنیادی جوہر ہے۔ اسی سے زندگی کا آغاز ہوا:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ.	اور پانی سے ہر ذی روح کو پیدا کیا، وہ ہماری اس خلاقی کو نہیں مانتے؟

پانی سے اللہ نے ہر ذی روح مخلوق کی تخلیق فرمائی اور اسی پر زندگی کی بقا اور اس کے نشو ونما کا انحصار ہے۔ بارش کے سلسلے میں ایک اور پہلو قابلِ غور ہے۔ دیکھیے! سمندر سے مانسون اٹھتا ہے، اوپر جا کر یہی بوجھل ہوائیں بادل کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور پھر بادلوں سے آبِ شیریں برستا ہے، جس سے ہم اپنی پیاس بجھاتے ہیں اور اپنے جسم میں رطوبت اور تازگی حاصل کرتے ہیں۔ سمندر کا پانی بے حد کھاری ہوتا ہے،

منہ میں رکھیے تو زبان اینٹھ جائے۔ سمندر کا کھاری پانی جس کھیت میں پہنچ جائے، کھیتیاں جل جائیں۔ یہ پانی جس جگہ جمع ہوتا ہے وہاں نمک کے سوا کچھ نہیں مل سکتا۔ تو قدرت اگر یہی پانی ہمارے گھروں اور کھیتوں پر برسا دیتی تو کیا حال ہوتا، نہ ہم اپنی پیاس بجھا سکتے نہ کھیتوں میں کچھ اگا سکتے، لیکن قدرت پہلے سمندر کا شورابہ دور کرتی ہے اور پھر کھاری پانی کو آبِ شیریں بنا کر برساتی ہے، کیوں کہ ربوبیت کا اقتضاء ہے کہ بندوں کو وہی پانی ملے جو ان کی نشو ونما اور پرورش کے لیے ضروری ہے۔ یہ سب کچھ ربوبیت کا فیضان ہے۔ اس میں بندے کا کوئی دخل نہیں ہے:

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِىْ	اچھا تم نے اس پر بھی غور کیا کہ یہ پانی جسے
تَشْرَبُوْنَ. ءَاَنْتُمْ	تم پیتے ہو اسے کون برساتا ہے؟ تم
اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ	برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ اگر ہم
نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ. لَوْ نَشَآءُ	چاہیں تو اسے سمندر کے پانی کی طرح
جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا	کڑوا کر دیں۔ کیا اس نعمت کے لیے
تَشْكُرُوْنَ. (الواقعہ:۶۸تا۷۰)	ضروری نہیں ہے کہ تم شکر گزار ہو۔

ہوا اور پانی کے بعد ہر مخلوق کی بقا کے لیے سب سے زیادہ ضروری چیز غذا ہے۔ اس کے بغیر کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ ضروری عنصر قدرت ہر مخلوق کو پہنچا رہی ہے۔ ہر ایک کو، جہاں کہیں ہے، جس ماحول میں ہے، اس کی طبیعت اور مزاج کے مطابق غذا مل رہی ہے۔ انسان کو اپنے حال پر غور کرنا چاہیے۔ قدرت نے اس کی غذا کا کتنا وافر ذخیرہ مہیا کر دیا ہے۔ جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ پانی کی طرح تمہارے گھروں میں گیہوں کی بارش نہیں ہوگی۔ اس کے لیے خاصی محنت کی

ضرورت ہوتی ہے۔ یہ زمین ہمارے لیے غذائی گودام ہے۔تم اس کی آغوش میں ایک دانہ ڈالو وہ ستر دانے بنا کر واپس کر دے گی۔

هُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ	وہی ہے جس نے زمین کو تمھارے لیے
ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا	تابع کر رکھا ہے۔اس کے اوپر چلو پھرو اور
وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ. وَاِلَیْهِ	خدا کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کی بارگاہ
النُّشُوْرُ. (الملک:۱۵)	میں تمھیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔
وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا	ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ جمائے
فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْبَتْنَا فِیْهَا	اور اس میں ہر نوع کی نباتات ٹھیک نپی تلی
مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ.	مقدار کے ساتھ اگائیں اور اس میں معیشت کے
وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ	اسباب فراہم کیے،تمھارے لیے بھی اور ان بہت
وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ.	سی مخلوقات کے لیے بھی جن کے تم رزاق نہیں ہو
وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا	کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے
خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا	پاس نہ ہوں اور جس چیز کو ہم نازل کرتے ہیں
بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ. (الحجر:۱۹تا۲۱)	ایک معین مقدار میں نازل کرتے ہیں۔

زمین میں کوئی چیز ایسی نہیں جو زندگی کے لیے مفید و سودمند نہ ہو۔ زمین پر پہاڑ ہر طرف استادہ ہیں، یہ اللہ کی نعمتیں ہیں۔قدیم زمانے سے لے کر زمانۂ حال تک عالی شان محلات انھیں سے حاصل کردہ پتھروں سے بنائے جاتے ہیں۔نہایت قیمتی ہیرے جواہرات یہیں دستیاب ہوتے ہیں۔کوئی سوچ سکتا ہے کہ اگر پہاڑ نہ ہوتے، کاشت کاری کے لیے زیادہ زمین دستیاب ہوتی لیکن یہ سطحی ذہن کی سوچ ہو سکتی ہے۔ اگر

پہاڑ نہ ہوتے تو برف کہاں جمتی ، پھر دریاؤں میں روانی کیسے باقی رہتی ، پھر زمین ہوتے ہوئے تم آب پاشی نہیں کر سکتے تھے ۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو دنیا میں کہیں بھی سکون وقرار نصیب نہ ہوتا ۔ ملاحظہ فرمائیں :

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ. (النحل:۱۶)

خدا نے زمین میں پہاڑ جمادیے تاکہ وہ تمھیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔

یہی مضمون بعینہٖ دوسری آیت میں بھی ہے :

وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ.

اور ہم نے زمین پر پہاڑ جمادیے تاکہ وہ انھیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔

بکائے نے لکھا ہے کہ:

> ’’قرآن کا یہ بیان کہ پہاڑوں کو اس طرح جمادیا گیا ہے کہ استحکام کا تیقن پیدا ہوگیا ہے۔ یہ ارضیاتی معلومات سے مکمل مطابقت رکھتا ہے۔ علمائے ارضیات کا اس پر مکمل اتفاق ہے کہ زمین میں ایک طرف گہرائی اور دوسری طرف ابھار یعنی پہاڑوں کا وجود زمین کے قرار کا سبب ہے ورنہ زمین کو کبھی قرار وسکون نصیب نہ ہوتا۔‘‘

اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ سمندر پہاڑ سب رب العالمین کی بیش بہا نعمتیں ہیں ۔ انسانی زندگی کی بقا ونشو ونما کے لیے ان کا وجود کتنا ضروری ہے ۔

دیکھیے ! علمائے ارضیات کا ہزاروں برس کی کاوشوں کے بعد اس حقیقت کا ادراک کہ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو زمین کو قرار نصیب نہ ہوتا اور انسان اس زمین پر کبھی آباد نہ ہوسکتا ۔ غور کرو ! تم نے جس حقیقت کو آج سمجھا ہے، تقریباً تیرہ سو برس قبل امی قوم میں ایک امی کی زبان سے اس حقیقت کا اظہار کیسے ہورہا تھا ۔ کیا یہ اس بات کی

واضح دلیل نہیں ہے کہ سنانے والا اپنی طرف سے نہیں بول رہا تھا بلکہ وہ اس کا کلام سنا رہا تھا جس نے زمین کو پیدا کیا اور جس نے اس پر پہاڑ جما دیے۔ اس کے بعد بھی کیا آپ کی نبوت ورسالت میں شک وشبہہ کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و پروردگاری ہی ہے کہ اس نے زمین کو انسانوں کا مسکن بنایا ہے تو ساری ضروریات ہوا، پانی، غذا زمین میں مہیا کر دی ہیں۔

ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال ملاحظہ کیجیے:

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ	وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کا
فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ	فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی اوپر سے
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ	پانی برسایا، اس کے ذریعہ سے ہر طرح کی
مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا	پیداوار نکال کر تمھارے لیے رزق بہم
تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ	پہنچایا۔ پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں
تَعْلَمُوْنَ. (البقر:٢٢)	کو اللہ کا مدِ مقابل نہ ٹھہراؤ۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے کائنات کی کوئی چیز مستغنی نہیں ہوسکتی۔ سانپ، بچھو، گائے، بیل، چاند سورج، سب کو وہی پروان چڑھا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو پروردہ ہے وہ پروردگار نہیں ہوسکتا۔ اور جو پروردگار نہیں ہوسکتا وہ معبود بھی نہیں ہوسکتا۔ یہی رب العلمین فرما رہا ہے:

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا (البقر:٢٢) — پس دوسروں کو اللہ کا مدِ مقابل نہ ٹھہراؤ۔

اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو: وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا.

ربوبیت سے توحیدِ الوہیت پر استدلال ایک اور آیت میں ملاحظہ کیجیے:

اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنۡهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِىَ وَجَعَلَ بَيۡنَ الۡبَحۡرَيۡنِ حَاجِزًا ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ. (النمل:۶۱)

اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کیے اور اس میں (پہاڑ کی) میخیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کر دیے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود (ان کاموں میں شریک) ہے۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ ان میں سے اکثر نادان ہیں۔

ربوبیت سے توحید پر استدلال کی چند اور آیتیں:

قُلۡ مَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ اَمَّنۡ يَّمۡلِكُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَمَنۡ يُّخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَ يُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَىِّ وَ مَنۡ يُّدَبِّرُ الۡاَمۡرَ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ اللّٰهُ فَقُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ. فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الۡحَقُّ فَمَاذَا بَعۡدَ الۡحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصۡرَفُوۡنَ

(یونس:۳۱تا۳۲)

وہ کون ہے جو آسمان (میں پھیلے ہوئے کارخانہ حیات) سے اور زمین (کی وسعت میں پیدا ہونے والے سامانِ رزق) سے تمھیں روزی بخش رہا ہے؟ وہ کون ہے جس کے قبضہ میں تمھارا سننا اور دیکھنا ہے؟ وہ کون ہے جو بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے؟ اور پھر وہ کون سی ہستی ہے جو تمام کارخانہ خلقت اس نظم و نگرانی کے ساتھ چلا رہی ہے؟ (اے پیغمبر) یقیناً وہ (بےاختیار) بول اٹھیں گے، اللہ ہی ہے (اس کے سوا کون ہو سکتا ہے) اچھا تم ان سے کہو جب تمھیں اس بات سے انکار نہیں تو پھر یہ کیوں ہے کہ غفلت و سرکشی سے نہیں بچتے؟ ہاں بیشک یہ اللہ ہی ہے، جو تمھارا پروردگار برحق ہے۔ اور جب یہ حق ہے تو حق کے ظہور کے بعد اسے نہ ماننا گمراہی نہیں تو اور کیا ہے (افسوس تمھاری سمجھ پر) تم (حقیقت سے منہ پھرائے) کہاں جا رہے ہو؟

يَـاَ يُّهَـا الـنَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰـهَ اِلَّا هُـوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ. (فاطر:۳)

لوگو! تم پر جو انعامات اللہ تعالیٰ نے کیے ہیں انھیں یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے جو تمھیں آسمان و زمین سے روزی پہنچائے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو اس سے روگردانی کر کے کدھر بہکے جارہے ہو؟

ربوبیت سے توحید پر استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ جب اللہ ہی نے تم کو وجود بخشا ہے اور تمھیں رزق عطا کررہا ہے، زندگی کے ہر مرحلہ میں تمھاری بقا و پرورش کا انتظام کررہا ہے اور اسی نے تمھیں اپنی گوناگوں نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور تم کو متناسب اعضاء و جوارح عطا کیے اور وہی تمھاری پرورش کا انتظام کرنے والا ہے تو پھر اس کے سوا کس کا آستانہ ہوسکتا ہے جہاں تمھاری پیشانیاں عبودیت و نیازمندی کے لیے جھکیں؟ کائنات میں جو چیز ہے وہ محتاجِ پرورش ہے اور جو محتاجِ پرورش ہو وہ معبود نہیں ہوسکتا۔ اس کی عبادت کرو جو صحرا کے ذروں سے لے کر آسمان کے انگنت ستاروں، سیاروں، چاند، سورج، عرش و کرسی، سب کا رب ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ کوئی دوسرا معبود و مسجود نہیں مگر وہی جو عرش بزرگ کا پروردگار ہے۔

زیرِ زمیں ذخیرۂ آب

زمین کے اندر چشموں کا وجود کیوں کر ہوا، اس میں پانی کس طرح پہنچتا ہے۔ اس سلسلے میں قدیم زمانے سے انسان اس کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا

ہے۔ فلاسفہ اور طبقات الارض کے ماہرین (Geologists) نے مختلف نظریات پیش کئے ہیں۔ اجمالاً میں ان کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ ساتویں صدی قبلِ مسیح میں ''تھالیس ملطوی'' کا نظریہ تھا کہ سمندروں کا پانی ہواؤں کے اثر سے برِ اعظموں کے اندر کی جانب گھس پڑا، اس طرح پانی خشکی پر پڑا اور مٹی میں نفوذ کر گیا۔ افلاطون نے اس نظریہ کو اپنایا اور بتایا کہ پانی کی سمندر کو واپسی ایک بڑے غار ''ٹارٹیرس'' کے ذریعہ ہوئی۔ اس نظریہ کی تائید کرنے والے بہت سے لوگ اٹھارہویں صدی عیسوی تک رہے۔ ان ہی میں ایک ''رینے وے کارت'' تھا ارسطو کا خیال تھا کہ مٹی کے اندر کا پانی جو بشکلِ بھاپ ہوتا ہے، کوہستانی شگافوں میں پہنچ کر ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اور زیرِ زمیں جھیلوں کو جنم دیتا ہے، جس سے چشموں کو پانی بہم پہنچتا ہے۔ اس کی تقلید ''سینیکا'' نے (پہلی صدی عیسوی میں) اور بہت سے دوسرے لوگوں نے کی۔ اور یہ سلسلہ 1877ء تک چلتا رہا۔ پانی کے دور کی اولین اور واضح ضابطہ سازی کا کام 1580ء میں ''برنارڈ پیلیسی'' سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ زیرِ زمیں پانی بارش سے حاصل شدہ ہوتا ہے جو مٹی میں جذب ہو جاتا ہے۔ اس نظریہ کی توثیق سترہویں صدی میں ''ایمیرٹ اور لیپیر ول'' نے کی (بحوالہ: بائبل قرآن اور سائنس)۔

بکائے لکھتے ہیں:

> ''نزولِ قرآن کے وقت جو غلط نظریات دنیا میں پائے جاتے تھے ان کا قرآن میں کوئی وجود نہیں ہے، بلکہ قرآن اس حقیقت کا اعلان کر رہا ہے جس کا اعتراف آج تمام علمائے طبقات الارض کر رہے ہیں۔''

ملاحظہ کیجیے:

وَاَنْـزَلْـنَـامِنَ السَّمَـاءِ مَـاءً	اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق
بِـقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ	ایک خاص مقدار میں پانی اتارا اور اس کو زمین
وَاِنَّـا عَـلٰـى ذَهَـابٍ	میں ٹھہرایا پھر اسے جس طرح چاہیں غائب کر
بِـهٖ لَقَادِرُوْنَ. فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ	سکتے ہیں۔ پھر اس پانی کے ذریعہ ہم نے
بِـهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ	تمھارے لیے کھجور اور انگور کے باغ پیدا کر
لَـكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا	دیے اور تمھارے لیے ان باغات میں بہت
تَاْكُلُوْنَ. (المومنون:۱۸تا۱۹)	سے لذیذ پھل ہیں، جسے تم کھاتے ہو۔

یہ آیتِ کریمہ، جہاں ایک طرف اللہ کی ربوبیت ورزاقی کے شواہد پیش کر رہی ہے وہیں اس میں اس بات کا واضح اظہار ہے کہ زیرِ زمیں چشمہ وغیرہ کی صورت میں پانی کے ذخائر کا وجود بارش کے نتیجے میں ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف آج دنیا کر رہی ہے۔

یہاں خصوصیت کے ساتھ لائقِ توجہ یہ امر ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے فلاسفہ اور طبقات الارض کے ماہرین جن میں افلاطون اور ارسطو بھی شامل ہیں، ہزاروں برس تک جس حقیقت کا سراغ نہ پا سکے تھے، چھٹی صدی عیسوی میں ایک انپڑھ قوم میں ایک امی اس حقیقت کا اظہار اس طرح کر رہا تھا۔ کیا یہ اس بات کی واضح دلیل نہیں ہے کہ قرآن کسی انسان کی لکھی ہوئی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ صحیفۂ آسمانی ہے۔ جسے اللہ کا رسول سنا رہا تھا:

وَمَا يَـنْـطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ	یہ رسول اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں بولتا، بلکہ
هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى.	یہ تو اللہ کی وحی ہے جو اس کی طرف کی گئی ہے۔

قرآن نے جس طرح ربوبیت سے جگہ جگہ توحید پر استدلال کیا ہے، ویسے ہی ربوبیت سے وجودِ معاد پر بھی استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِ. وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ. رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ. (قٓ:۹تا۱۱)

اور آسمان سے ہم نے برکت والا پانی نازل کیا پھر اس سے باغ اور فصل کے غلے اور بلند و بالا کھجور کے درخت پیدا کردیے، جن پر پھلوں سے لدے ہوئے خوشے تہہ بہ تہہ لگتے ہیں۔ یہ انتظام ہے بندوں کو رزق دینے کا۔ اس پانی سے ہم ایک مردہ زمین کو زندگی بخش دیتے ہیں (مرے ہوئے انسانوں کا زمین سے) نکلنا بھی اسی طرح ہوگا۔

وَ اللّٰهُ الَّذِىْۤ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ. (فاطر:۹)

وہ اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ بادل اٹھاتی ہیں پھر ہم اسے ایک اجاڑ علاقہ کی طرف لے جاتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے اس زمین کو زندہ کردیتے ہیں، جو مری پڑی تھی۔ مرے ہوئے انسانوں کا جی اٹھنا بھی اسی طرح ہوگا۔

وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ. (الاعراف:۵۷)

اور وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری لیے ہوئے بھیجتا ہے پھر جب وہ پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھا لیتی ہیں تو انھیں کسی مردہ سرزمین کی طرف حرکت دیتا ہے اور وہاں مینہ برسا کر (اسی مری ہوئی زمین سے) طرح طرح کے پھل نکالتا ہے۔ دیکھو اسی طرح ہم مردوں کو حالتِ موت سے نکالیں گے تاکہ تم اس مشاہدہ سے سبق لو۔

وَهُوَ الَّذِىٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ	اور وہی ہے جو اپنی رحمت کے آگے آگے
بُشْرًا ۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ	ہواؤں کو بشارت بنا کر بھیجتا ہے پھر آسمان سے
وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً	پاک پانی نازل کرتا ہے تاکہ ایک مردہ علاقہ کو
طَهُوْرًا . لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا	اس کے ذریعہ زندگی بخشے اور اپنی مخلوق میں
وَّ نُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا	سے بہت سے جانوروں اور انسانوں کو سیراب
وَّاَنَاسِیَّ كَثِيْرًا . (الفرقان:۲۵:۴۸،۴۹)	کرے۔

صلاحیتِ روئیدگی سے محروم ہو جانا زمین کی موت ہے اور پھر اس میں روئیدگی کی صلاحیت کا پیدا ہو جانا اس کا زندہ ہونا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

جس طرح اقتضاءِ ربوبیت سے کائنات وجود میں آئی اور رب العلمین نے ہر مخلوق کی بقاء و پرورش کا ایک مستحکم نظام قائم کر دیا، اسی طرح موجودہ کائنات کے فنا ہونے کے بعد ربوبیت مقتضی ہے کہ دوبارہ پھر ایک دوسرا عالم وجود میں آئے اور مردہ انسان پھر زندہ کیے جائیں اور رب العلمین ان کی پرورش فرمائے۔ مذکورہ بالا آیات میں قرآنِ عظیم اسی امر کو واضح فرما رہا ہے۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ عالمِ آخرت موجودہ عالم سے مختلف ہوگا۔ وہاں کی زندگی یہاں کی زندگی سے جدا ہوگی۔ یہ دار العمل ہے، وہ دار الجزا ہوگا۔ یہاں زندہ رہنے کے لیے کافی محنت و مشقت کی ضرورت ہوتی ہے، یہاں جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر زندگی گزاری ہوگی، وہاں ان کے لیے بغیر محنت و مشقت کے ہر چیز مہیا کر دی جائے گی۔ ارشادِ خداوندی ہے:

نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ	تمھاری دنیوی زندگی میں بھی ہم تمھارے
الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ وَلَکُمۡ	رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے
فِیۡھَا مَا تَشۡتَھِیۡۤ اَنۡفُسُکُمۡ	جس چیز کا تمھارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو
وَلَکُمۡ فِیۡھَا مَا تَدَّعُوۡنَ. نُزُلًا	تمھارے لیے (جنت میں) موجود ہے۔
مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ. (حٰم السجدہ:۳۱تا ۳۲)	غفور رحیم (معبود) کی طرف سے یہ سب کچھ بطور مہمان نوازی کے ہے۔

آخرت کے مضمون پر میں اپنی کتاب ''حیات بعد الممات'' میں بہت کچھ لکھ چکا ہوں، یہاں مزید کچھ اور لکھنا نہیں ہے۔ انشاء اللہ اسی عالم میں ربوبیتِ الٰہیہ کے کچھ اور مناظر پیش کروں گا تا کہ ہم سب کا ایمان اور مستحکم ہو جائے۔ وما توفیقی الا باللہ.

☆☆☆☆☆☆

نباتات، حیوانات، انسان

پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ زندگی کا آغاز کس چیز سے اور کیسے ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ۔ — ہم نے ہر جاندار مخلوق کو پانی سے پیدا کیا۔

یہ آیتِ کریمہ پہلے آچکی ہے۔ یہاں اس پر تھوڑی تفصیل کے ساتھ مجھے روشنی ڈالنی ہے۔

ذی روح مخلوقات میں پہلا درجہ نباتات کا ہے، اس کے اوپر حیوانات کا پھر ان دونوں سے بلند انسان کا درجہ ہے۔ نباتات جسمِ نامی کو کہتے ہیں۔ اس کا نمو اسے جمادات سے ممتاز کرتا ہے۔ جمادات جیسے زمین، پہاڑ وغیرہ جسم ہیں لیکن ان میں بڑھنے کی کوئی

صلاحیت نہیں ہے۔ نباتات میں نمو ہے لیکن ان میں کوئی حس اور اپنے ارادے سے حرکت کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ حیوان جسم نامی ہونے کے ساتھ ساتھ احساس کی قوت بھی رکھتا ہے اور اپنے ارادے سے حرکت بھی کرتا ہے۔ وہ دیکھتا سنتا چکھتا اور گرمی سردی کا احساس بھی کرتا ہے۔ لیکن کلّیات کے ادراک اور نتائج کے استخراج سے وہ محروم ہے۔ سب سے بلند درجہ انسان کا ہے، وہ جزئیات سے کلی حکم کا استنباط کرتا ہے۔

نباتات، حیوانات، انسان ان تینوں میں ہم سب سے پہلے نباتاتی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ــــ اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے پیدا کی

اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ. (سورہ انبیاء آیت ۳۰) ــــ کیا وہ (ہماری خلاقی کو) نہیں مانتے؟

جناب ڈاکٹر بکائے لکھتے ہیں:

> ''اس فقرہ کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ہر زندہ چیز پانی سے بنائی گئی ہے۔ جو اس چیز کا لازمی عنصر ہے۔ یا ہر جاندار شئی کی ابتدا پانی میں ہوئی ہے۔ یہ دونوں امکانی مفہوم سائنسی معلومات سے کلی طور پر مطابقت رکھتے ہیں۔
>
> آگے لکھتے ہیں: حیات کی ابتدائی الحقیقت پانی سے ہے۔ اور پانی تمام جاندار خلیات کا جزو اعظم ہے۔ پانی کے بغیر زندگی ممکن نہیں ہے۔''

جب کسی دوسرے سیارے پر حیات کے امکان پر بحث کی جاتی ہے۔ تو پہلا سوال ہمیشہ یہ ہوتا ہے کیا وہاں حیات قائم رکھنے کے لئے کافی مقدار میں پانی موجود ہے؟ موجودہ معلومات ہمیں اس بات پر غور کرنے کی طرف مائل کرتی ہیں کہ قدیم ترین جاندار شے کا تعلق عالم نباتات سے ہوگا۔ نامیاتی اشیاء، جن کا تعلق عالم حیوانی سے ہے، غالباً کسی قدر بعد میں ظہور پذیر ہوئیں اس کا وجود بھی سمندر سے ہوا۔ فاضلِ موصوف آگے لکھتے ہیں:

''یہاں جس لفظ کا ترجمہ پانی کیا گیا ہے وہ ماء ہے۔ اس سے مراد آسمان سے برسا ہوا پانی اور سمندری پانی دونوں ہو سکتی ہے۔ پہلے معنوں میں پانی وہ عنصر ہے جو تمام نباتاتی زندگی کے لئے ضروری ہے۔''

قرانِ مجید کی یہ آیت پڑھیے:

اَلَّذِیْ جَعَلَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا وَّ	وہی خدا ہے جس نے تمھارے لیے زمین کا
سَلَکَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ	فرش بچھایا اور اس میں تمھارے چلنے کو راستے
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖ	بنائے اور اوپر سے پانی برسایا اور پھر اس کے
اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی. (طٰہٰ:۵۳)	ذریعہ ہم نے مختلف نباتات سے جوڑے نکالے

حیوانی زندگی کی ابتدا بھی پانی سے ہوئی اور توالد و تناسل بھی ایک طرح کے پانی ہی کے ذریعہ جاری ہے:

وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ	اور اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو ایک طرح کے
مَّآءٍ. (النور:۴۵)	پانی سے پیدا کیا۔

ڈاکٹر بکائے لکھتے ہیں کہ قرآن کا یہ بیان کہ حیات کی ابتداء پانی سے ہوئی، لفظ ماء سے مراد خواہ بارش اور سمندر کا پانی ہو یا کسی حیوان کا مادہ منویہ بہر صورت جدید سائنس کے بالکل مطابق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جدید سائنس نے قرآن کی صداقت کا اعتراف کر لیا ہے۔ لیکن مادہ پرست سائنس دانوں کو ایک اور مرحلۂ فکر و نظر سے گزرنا ہوگا۔ اس سوال کا جواب تلاش کرنا ہوگا کہ پانی ایک بے جان عنصر ہے، اس میں کوئی زندگی نہیں ہے۔ پھر اس سے زندگی کا آغاز کیونکر ہوا؟ جو خود حیات سے عاری ہو وہ حیات آفریں نہیں ہو سکتا! سائنس دانوں کو قرآن مجید کا پورا بیان تسلیم کرنا ہوگا:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (سورہ انبیا،آیت ۳۰) ہم نے ہر ذی روح شے پانی سے پیدا کی ہے۔

یقیناً خدائے حی وقیوم کے سوا کوئی زندگی نہیں دے سکتا۔ اسی کی قدرت ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے:

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ (یونس:۳۱) وہ کون ہے جو بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے۔ یقیناً وہ اللہ ہی ہے دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔

نباتات سے متعلق یہاں جو آیات نقل کی جا رہی ہیں ان میں پروردگارِ عالم نے اپنی ربوبیت کاملہ کے واضح شواہد کے ساتھ اپنے بندوں کو دعوتِ فکر ونظر بھی دی ہے کہیں فرماتا ہے:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ یقیناً ان میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

آیت ۴ کے آخر میں فرماتا ہے:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ (النحل:۱۲) ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

تمام موجودہ آسمانی کتابوں میں قرآن کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ جگہ جگہ انسان کو تعقل وتدبر کی دعوت دیتا ہے کیوں کہ حق شناسی کی یہی راہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل وبصیرت سے صحیح طریقہ پر کام لیا جائے۔

یاد رکھیے! قیامت میں جہاں اور فرائض کے بارے میں سوال کیا جائے گا وہیں روزِ حساب اس کے لیے بھی بندہ جواب دہ ہوگا کہ اللہ نے تمھیں عقل وشعور بخشا تھا تو اس کا

استعمال تم نے کیسے کیا؟

اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ (یقیناً انسان کا) سننا، دیکھنا سب
وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ اپنی اپنی جگہ جواب دہی رکھتے
عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل:۳۶) ہیں۔

معرفتِ حق سے محرومی کا بڑا سبب آیاتِ الٰہیہ سے غفلت و اعراض ہے۔ منکرینِ حق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ اور آسمان و زمین میں (معرفتِ حق کی) کتنی
الْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ ہی نشانیاں ہیں لیکن لوگ ان پر سے گزر
عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ. (یوسف:۱۰۵) جاتے ہیں اور آنکھ اٹھا کر دیکھتے تک نہیں۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں
لِّلْمُوْقِنِیْنَ. وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا (معرفتِ حق کی) نشانیاں ہیں اور خود تمھارے
تُبْصِرُوْنَ. (الذریات:۲۰ تا ۲۱) وجود میں بھی پھر کیا تم دیکھتے نہیں۔

زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ میں آسمان میں موجود نشانیوں کا تذکرہ اس وقت کروں گا جب اجرامِ سماوی کے موضوع پر گفتگو ہو گی۔ اس وقت میرا موضوع عالمِ نباتات ہے اس لیے فی الحال نباتات میں ربوبیتِ الٰہیہ کے مناظر اور اللہ کی قدرت و حکمت کے شواہد پیش کر رہا ہوں۔

قرآن میں موجود ایسی تمام آیات کا یہاں نقل کر دینا ممکن نہیں ہے جن میں بارش کے متعلق اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت و ربوبیت کا حوالہ دیا گیا ہے جو نباتات کی نشو و نما اور بالیدگی کی موجد ہوتی ہے۔ اس موضوع پر یہاں تین آیتیں پیش کی جا رہی ہیں۔ انھیں غور سے پڑھیے اور دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ

کی شانِ ربوبیت اور اس کی قدرت وحکمت کی کارفرمائی کیا ہے:

هُوَالَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ. يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ. (النحل:۱۰تا۱۱)

وہی (خدا) ہے جس نے آسمان سے تمھارے لیے پانی برسایا، جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمھارے جانوروں کے لیے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس پانی سے کھیتیاں اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْا اِلٰى ثَمَرِهٖ اِذَا اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ. (الانعام:۱۰۰)

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے ہر قسم کی نباتات اگائیں پھر اس سے ہرے بھرے درخت پیدا کیے پھر اس سے تہ بہ تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کئے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں اور انگور، زیتون اور انار کہ بعض ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور کچھ ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان کے پھل آنے اور پھر انکے پکنے کی کیفیت پر ذرا غور کی نظر سے دیکھو ان کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

وَ فِی الْاَرْضِ قِطَعٌ	اور دیکھو زمین میں الگ الگ خطے پائے
مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ	جاتے ہیں جوایک دوسرے سے متصل واقع
اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ	ہیں۔ انگور کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور
صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ	کے درخت ہیں جن میں سے کچھ اکہرے
يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ	ہیں اور کچھ دوہرے سب کوایک ہی پانی سیراب
بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى	کرتا ہے مگر ذائقے میں ہم کسی کو بہتر بنادیتے
الْاُكُلِ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ	ہیں اور کسی کو کمتر۔ ان سب چیزوں میں نشانیاں
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ. (الرعد:۴)	ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔

سورۃ الانعام آیت ۱۰۰ میں قرآن مختلف مراحل میں پھلوں کی بدلتی ہوئی کیفیات پر خصوصی طور پر دعوتِ فکر دے رہا ہے:

اُنْظُرُوْا اِلٰى ثَمَرِهٖ اِذَا اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ اِنَّ فِىْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ. (الانعام:۱۰۰)	(اور پھر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا ہیں) یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان کے پھل آنے اور پھر ان کے پکنے کی کیفیت پر ذرا غور کی نظر سے دیکھو ان کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

سورۃ رعد آیت ۴ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی نشانیوں کا جو ذکر فرمایا ہے وہ انسانی عقل کو دعوتِ فکر دے رہا ہے، وہ کہتا ہے دیکھو زمین پہ دو حصے جو ایک دوسرے سے متصل ہیں، دونوں حصوں میں ایک طرح کے باغ اور کھیتیاں ہیں اور دونوں کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے لیکن پھلوں کے ذائقے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ایک خطۂ ارض کے ذائقے میں بہتر اور دوسرے میں کمتر ہوتے ہیں۔ ان کی مادی اعتبار سے کیا توجیہہ ہوسکتی ہے؟

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ	ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں ان
یَّعْقِلُوْنَ۔ (النحل:۱۲)	لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ مختلف حالات میں پھلوں کے رنگ روپ کو بدلتا رہتا ہے۔ پھر اگر ذرا گہرائی کے ساتھ غور کیجیے تو اس میں بہت بصیرت افروز اشارے ملیں گے۔

یاد رکھیے! کائنات کی ہر چیز کو زندگی کے تین ادوار سے گزرنا پڑتا ہے۔ طفولیت، جوانی، بڑھاپا۔ نباتات کی زندگیوں میں بھی تین ادوار ہیں مثلاً ''آم'' کیریوں کا زمانہ اس کی طفولیت کا دور ہے۔ آم پکنے سے پہلے جب پوری جسامت کو پہنچ جاتا ہے تو یہ اس کا عہدِ شباب ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب پک جاتا ہے تو یہ اس کے بڑھاپے کی منزل ہوتی ہے۔ اس کے بعد زندگی کا کوئی مرحلہ باقی نہیں رہتا۔ وہی آم جو تند و تیز ہواؤں کو برداشت کرتا رہا اب ذرا سی حرکت سے ٹپک کر زمین پر آجاتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ پھلوں کا آخری سب سے قیمتی اور مرغوب دور یہی ہوتا ہے۔

قرآنِ عظیم نے انسانی زندگی کے چار مراحل کا ذکر کیا ہے:

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ	اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تم کو کمزوری کی
ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ	حالت میں پیدا کیا پھر اس کمزوری کے بعد
قُوَّۃٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَۃً یَخْلُقُ	توانائی دی پھر اس توانائی کے بعد کمزوری اور
مَا یَشَآءُ وَھُوَ الْعَلِیْمُ	بڑھاپا دیا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ
الْقَدِیْرُ۔ (الروم:۵۴)	سب سے واقف اور سب پر قادر ہے۔

ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّۃٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَۃً اس آیت میں ضعف سے مراد کہولت کی عمر ہے، جس میں عقلی و جسمانی قوتوں میں زوال کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اور شیبہ سے مراد زندگی کا وہ دور

ہے جس میں ضعف زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ ہمت پست، ہاتھ پاؤں کی حرکت اور گرفت کمزور ہو جاتی ہے۔ بال سفید اور تمام ظاہری و باطنی قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ قرآن میں انسانی زندگی کے چار ادوار بیان کئے ہیں۔ پہلا ضعف کا دور طفولیت کا ہے۔ دوسرا قوت کا دور جوانی کا ہے۔ تیسرا ضعف و ناتوانی کے آغاز کا زمانہ کہولت کا دور ہے۔ اور چوتھا دور جس میں ضعف و ناتوانی بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور تمام قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں وہ عہد پیری ہے۔ انسان کا سب سے قیمتی اور بہتر دور اس کا عہد شباب ہے۔ یہی عمر ہے جس میں انسان کے تمام ظاہری و باطنی قویٰ میں تازگی اور خیالات میں رعنائی ہوتی ہے۔ دلوں میں بھرپور حوصلے اور ولولے ہوتے ہیں۔ سفرِ زندگی میں عمر کا کارواں جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے۔ تھکاوٹ کے آثار نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔ جوانی کی تمام رعنائیاں رخصت ہوتی جاتی ہیں۔ اور پھر جب انسان بڑھاپے کی منزل میں پہنچ جاتا ہے تو عموماً حال یہ ہوتا ہے کہ جوانی میں جو لوگ اس کے ساتھ چپکے ہوتے تھے وہ ایک ایک کر کے دور ہوتے جاتے ہیں۔ اب وہ شخص گوشۂ تنہائی میں پڑا موت کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ لیکن مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ پھلوں کی مختلف کیفیات پر غور کرو اور انکی زندگی سے عبرت حاصل کرو تو تمھارا بڑھاپا سب کے لئے قابلِ احترام ہو سکتا ہے۔ پھلوں نے سرد و گرم ہر قسم کے موسموں کی سختیاں برداشت کرتے ہوئے قانونِ قدرت پر قانع رہکر زندگی گزاری ہے تو قدرت نے ان میں مٹھاس اور خوشبو پیدا کر دی۔ اگر انسان بڑھاپے میں لوگوں کی بے توجہی سے آزردہ و دل گرفتہ نہ ہو اور دینِ فطرت پر کاربند رہ کر اپنے اندر حسنِ اخلاق کی شیرینی پیدا کرے تو وہ اپنے عہدِ پیری میں ہر دور سے زیادہ لائقِ احترام اور لوگوں کی توجہات کا مرکز بن سکتا ہے۔ ہمارے اسلاف کی زندگیاں ہم کو یہی درس دیتی ہیں۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکُمۡ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ. (الانعام:۱۰۰)

ایمان لانے والوں کے لئے ان میں نشانیاں ہیں۔

عالمِ نباتات میں افزائشِ نسل

وَمِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَیۡنِ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ. (الذاریٰت:۴۹)

اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کردیے یعنی دو دو اور متقابل اشیاء پیدا کیں۔

زوجین کا لفظ ایک وسیع معنیٰ میں مستعمل ہے، جو ذی روح اور غیر ذی روح تمام اشیاء کو شامل ہے۔ اس لفظ کا جب استعمال غیر ذی روح اشیاء کے لئے ہو تو اس کا ترجمہ ہوگا جوڑے، یعنی دو دو اور اگر ذی روح اشیاء کے لئے بولا جائے جیسے نباتات اور حیوانات کے لئے تو اس کا معنیٰ ہوگا نر و مادہ، اور اگر خاص طور پر انسان کے لئے استعمال کیا جائے تو اس سے شادی شدہ جوڑا مراد ہوگا۔ زوج کا ترجمہ جوڑا ذی روح اور غیر ذی روح ہر ایک کے لئے درست ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَ مِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ. (یٰسٓ:۳۶)

پاکی اور بزرگی ہے اس ذات کے لئے جس نے زمین کی پیداوار میں اور انسان میں اور ان تمام مخلوقات میں جن کا انسان کو علم نہیں ہے دو دو اور متقابل چیزیں پیدا کیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کی تخلیق زوجیت کے اصول پر کی ہے۔ کائناتِ خلقت کا کوئی گوشہ بھی دیکھو تمھیں کوئی چیز بھی طاق نہیں ملے گی۔ تم محسوس کروگے کہ ہر چیز میں جفت اور دو دو کی حقیقت کارفرما ہے۔ کائنات میں ہر چیز اپنا کوئی نہ کوئی متماثل و متقابل ضرور رکھتی ہے۔ رات کے لئے دن ہے، صبح کے لئے شام ہے، نر کے لئے مادہ ہے، مرد کے لئے عورت،

زندگی کے لئے موت، دنیا کے لئے آخرت۔

کائنات کے ہر مشین کے پرزے دو دو اور جوڑے کے شکل میں ہیں اور عالمِ خلق میں جتنی بھی کاریگری نظر آتی ہے وہ سب ان ہی جوڑوں کی تزویج کا کرشمہ ہے۔

غور کیجئے! نباتات کی نشو ونما کے لئے صرف مٹی کافی ہے اور نہ ہی پانی، ان دونوں کے امتزاج سے کوپلیں پھوٹ تی ہیں اور پودے پروان چڑھتے ہیں۔ آگ پانی دونوں کے تعلق کے بعد ہی بھاپ پیدا ہوتی ہے جس سے توانائی حاصل کی جاتی ہے۔ بجلی کے مثبت ومنفی دوتاروں میں سے کسی ایک سے روشنی پیدا نہیں ہوسکتی جب ان دونوں کے درمیان تعلق قائم ہو جاتا ہے تو بلب جل اٹھتے ہیں اور کوچہ وبازار میں اجالا پھیل جاتا ہے۔ غرضیکہ کائنات کی ساری رونق قانونِ تزویج کی مرہونِ منت ہے۔ نباتات، حیوانات اور انسان میں افزائشِ نسل کا سلسلہ اسی قانونِ تزویج کا نتیجہ ہے۔ اس اصولی گفتگو کے بعد اب ہم نباتات میں افزائشِ نسل کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ سائنس کی تحقیق کیا ہے اور قرآن ہم کو کیا بتاتا ہے۔

ڈاکٹر موریس بکائے لکھتے ہیں کہ:

> ''جو بات خصوصیت کے ساتھ ہماری توجہ مبذول کرتی ہے وہ قرآنِ مجید کے وہ بیانات ہیں جن کا تعلق عالمِ نباتات میں افزائشِ نسل سے ہے۔ ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ عالمِ نباتات میں جنسی افزائشِ نسل ایک ہی پودے پر نر و مادہ کے ملاپ سے وجود میں آتی ہے۔''

اس کا تذکرہ قرآنِ مجید میں کیا گیا ہے۔

وَاَنْـزَلَ مِـنَ السَّمَـآءِ مَـآءً فَـاَخْـرَجْـنَـا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى. (طٰہٰ:۵۳)	وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے مختلف نباتات کے جوڑے پیدا کئے۔

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَا	اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے، پھر
اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ	جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا کہ یکا یک
وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ	وہ بھیگ اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم
زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ. (الحج:۵)	کی خوش منظر نباتات اگانی شروع کردیں۔
فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ	پس ہم نے زمین میں پودوں اور نباتات
كَرِيْمٍ. (لقمان:۱۰)	کے اچھے جوڑے اگائے۔
وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ	اسی نے زمین پھیلا کر بچھادی ہے اور اس
وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا	میں پہاڑ اور نہریں پیدا کردی ہیں۔ اور
وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ	تمام پھلوں سے اس میں جوڑے پیدا کیے
فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي	وہ رات سے دن کو چھپا دیتا ہے۔ یقیناً
الَّيْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ	غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس میں
لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ. (الرعد:۳)	بہت سی نشانیاں ہیں۔

زوجین اثنین کا مطلب ہے کہ نر و مادہ دونوں بنائے۔ موجودہ سائنس کی تحقیقات نے اس کی تصدیق کردی ہے۔ آج دنیا کے تمام سائنس داں اس بات پر متفق ہیں کہ پھلوں کے اندر نر و مادہ، دونوں کے اعضاء پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر موریس بکائے نے نباتات کی افزائش نسل کے سلسلے میں جو بحث کی ہے اس میں اس مسئلے پر مزید روشنی پڑتی ہے، جس کا بعد میں ذکر کروں گا۔ پہلے میں اس امر پر دنیا کو دعوت فکر دے رہا ہوں۔

غور کیجیے! نزول قرآن کے بعد عقل انسانی صدیوں تک جس حقیقت کی تلاش میں در بدر بھٹکتی رہی، بالآخر جب وہ حقیقت آشکار ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ تو وہی چیز ہے جس کا اظہار تقریباً تیرہ سو برس پہلے قرآن کر چکا ہے:

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ. (الرعد:۳)

اور اسی نے ہر طرح کے پھلوں کے نر و مادہ جوڑے پیدا کیے۔

اب نباتات کی افزائشِ نسل کے سلسلے میں ڈاکٹر موریس بکائے کا بصیرت افروز بیان ملاحظہ کیجیے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ہمیں معلوم ہے کہ پھل ان اعلیٰ درجہ کے پودوں کی افزائش نسل کے عمل میں آخری حاصل ہے جن کا انتظام انتہائی ترقی یافتہ اور پیچیدہ ہے۔ پھل سے قبل کا درجہ پھول کا ہے جس مین نر اور مادہ دونوں کے اعضاء ہوتے ہیں لہذا تمام پھل نر اور مادہ کے اعضاء کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔''

قرآن میں جو آیت دی گئی ہے اس کا یہی مفہوم ہے۔ ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں:

''افزائشِ نسل کے عمل کی آخری شکل اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب ایک مرتبہ اس کا بیرونی خول شق ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ تخم ایک گھٹلی میں بند ہوتا ہے۔ اس انشقاق سے جڑیں باہر نکل آتی ہیں جو مٹی سے وہ تمام چیزیں جذب کر لیتی ہیں جو پودے کی زندگی کے لیے ضروری ہوتی ہیں پھر تخم بڑھتا ہے اور ایک نئے پودے کو جنم دیتا ہے۔'' .... (بائبل، قرآن اور سائنس: ۳۰۸)

پھر وہ نیا پودا بہت سارے تخم پیدا کرتا ہے۔ اس طرح سے افزائشِ نسل کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہاں قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ دانوں اور گھٹلی سے جو جڑیں باہر آتی ہیں وہ انتہائی نرم و نازک ہوتی ہیں۔ ان کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ اپنی طاقت سے خول کو شق کر سکتی ہیں۔ اس انشقاق کی کوئی مادی توجیہہ ممکن نہیں ہے۔

ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ قرآن کی ایک آیت، نمو کے اس عمل کا اس طرح حوالہ دیتی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى. (الانعام:۹۵) — تحقیق کہ دانے اور گھٹلی کو پھاڑنے والا اللہ ہی ہے۔

یہ ربوبیت کی کارفرمائی ہے کہ جو پودوں کے راستوں سے ہر رکاوٹ دور کر رہی ہے تا کہ تمام بندوں کے لیے سامانِ رزق مہیا ہو:

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ. (الذٰریٰت:۵۸) — اللہ تعالیٰ ہی سب کو روزی عطا کرنے والا اور قوت والا ہے۔

دانے اور گھٹلی کے انشقاق کے بعد بھی نباتات کی نشوونما کے لیے ایک اور سخت مرحلہ باقی رہ جاتا ہے۔ دانے آپ نے کھیت میں ڈال دیے اور قدرت نے انھیں شق کر دیا، جڑیں زمین میں پیوست ہو گئیں۔ ان دانوں سے نہایت نرم و نازک پتیاں باہر آنا چاہتی ہیں لیکن اوپر مٹی کا ایک دبیز پردہ حائل ہے۔ کیا یہ کمزور و نازک پتیاں زمین کو چیر کر باہر آنے کی طاقت رکھتی ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر یہ کیسے ہوا کہ پودے نشوونما پا کر اپنی بہاریں دکھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پڑھیے:

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلٰى طَعَامِهٖ. أَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا. ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا. فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا. وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا. وَّزَيْتُونًا وَّنَخْلًا. وَّحَدَائِقَ غُلْبًا. وَّفَاكِهَةً وَّأَبًّا. مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ. (عبس:۲۴تا۳۲)

انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کو دیکھے کہ ہم نے خوب پانی برسایا پھر ہم نے زمین کو شق کر دیا پھر اس میں سے اناج اگائے اور انگور، ترکاری، زیتون، کھجور اور گنجان باغات اور میوہ اور چارہ (گھاس) اگایا تمھارے استعمال اور فائدے کے لیے اور تمھارے چوپایوں کے لیے۔

کاشتکار کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ مناسب زمین میں دانے ڈال دے، اس کے بعد پودوں کی روئیدگی و بالیدگی اور نشو ونما، یہ سب اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے کرشمے ہیں۔ زراعت و کاشتکاری کے لیے تیار کی گئی زمین بہر حال یک گونہ نرم ہوتی ہے۔ اگر آپ نے پہاڑی علاقوں کا سفر کیا ہے تو ضرور دیکھا ہوگا کہ چٹانوں کو پھاڑ کر ہرے بھرے شاداب درخت قدرت کی کارفرمائی کا منظر پیش کر رہے ہیں۔

درختوں میں کیا یہ طاقت ہے کہ پہاڑوں کو شکست دے سکیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ربوبیتِ الٰہیہ کی کارفرمائی کا ایک منظر ہے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں خودرو پودوں اور درختوں کے وجود کی معاشی زندگی میں کلیدی اہمیت ہے۔ ان سب کا بارش کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ درختوں کی بے تحاشہ کٹائی نے موسموں پر کتنا ناخوشگوار اثر ڈالا ہے۔ کبھی بے وقت تیز بارش، کبھی خشک سالی سے معاشی مسائل خطرناک شکل اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ ان نعمتوں سے اعتدال کے ساتھ فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اگر درخت کاٹے جائیں تو ان کی جگہ دوسرے درخت اگانے کا انتظام بھی ضرور ہونا چاہیے۔

یہاں ایک اور پہلو خصوصی توجہ کا طالب ہے زمین کے اندر بہت سارے ایسے کیمیکل ہیں کہ جو چیز بھی زمین میں دفن کی جاتی ہے وہ خراب و خستہ ہو جاتی ہے، گل سڑ جاتی ہے، یہاں تک کہ لوہا بھی زنگ آلود ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے مگر جو، گیہوں، مٹر کے دانے خراب نہیں ہوتے بلکہ یہ زمین سے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں اور نشو ونما کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ اس لیے ہے کہ کسان جو دانے زمین میں ڈالتا ہے ان میں زندگی ہوتی ہے اس لیے وہ خراب نہیں ہوتے لیکن اگر ایسے دانے زمین کے سپرد کیے جائیں جنھیں کیڑے مکوڑوں نے خراب کر دیا ہے تو بہت جلد زمین کے اندر خاک ہو جائیں گے۔

یہیں سے ایک اور پہلو میرے ذہن میں آیا۔ ہم اپنے مردوں کو زمین میں دفن کر دیتے ہیں جو کچھ دنوں کے بعد مٹی کا جزو بن جاتے ہیں۔ کوئی عضو بھی صحیح سالم باقی نہیں رہ جاتا۔ لیکن اس کے برعکس شہدائے کرام کی لاشوں کو زمین خراب نہیں کرتی۔ بارش وغیرہ کی بنا پر بعض مقامات پر ان کی لاشوں کو منتقل کرنا پڑا تو دنیا نے دیکھا کہ انکی لاشیں جوں کی توں بالکل تروتازہ حالت میں محفوظ ہیں۔ جسم کا کوئی حصہ بھی خراب نہیں ہوا۔ سب سے زیادہ روح پرور اور بصیرت افروز واقعہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ قرشی سے متعلق منظرِ عام پر آیا۔ یہ شہید صحابی ہیں۔ جنگِ احد میں ایک موقع پر نبی کریم ﷺ کے گرد انصار تھے اور مشرکین کا سارا زور آپ کو معاذ اللہ شہید کر دینے کے لیے تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے جو ان سے نمٹے؟ حضرت طلحہ نے کہا کہ میں، یا رسول اللہ! پہلے انصار یکے بعد دیگرے سب شہید ہو گئے۔ اب آپ کے پاس صرف دو رہ گئے تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ سب شہید ہو گئے تو حضرت طلحہ آگے بڑھے اور گیارہ آدمیوں کے برابر تنہا جنگ کی، یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر تلوار کی ضرب پڑی جس سے اُن کی انگلیاں کٹ گئیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قیس بن ابی حازم سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا میں نے حضرت طلحہ کا ہاتھ دیکھا کہ وہ شل تھا، اس سے انھوں نے نبی کریم ﷺ کو بچایا تھا۔ (فتح الباری) ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں اس روز فرمایا: ''جو شخص روئے زمین پر کسی شہید کو چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔ (مشکوۃ۔ ابن ہشام)

روی حماد بن سلمة عن علی بن زید عن ابیه ان رجلاً رأی فی منامه أن طلحة بن عبید الله قال حوّلونی عن قبری فقد آذانی الماء ثم رأه ایضا حتی رأه ثلاث لیالٍ فأتی ابن عباس فاخبرهٗ فنظر و ا فاذ اشقة الذی یلی الارض قد اِخُضَرَّ من نَزاّلماء ماء فحوّلوه فکانی انظر الی الکافور فی عینه لم یتغیر الاعقیصته فانها مالت عن موضعها فاشتر و اله دارًا من دُوَرِ ابی بکرة بعشرة آلاف درهمٍ. فدفنوه فیها

(اسد الغابہ۔ جلد۳ ص ۶۱)

حماد ابن سلمہ علی بن زید اور علی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے طلحہ بن عبید اللہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ مجھے میری قبر سے منتقل کر دو کیوں کہ پانی سے مجھے اذیت ہو رہی ہے، پھر دوسرے دن یہی خواب دیکھا۔ حتّٰی کہ تین راتیں مسلسل یہی خواب دیکھا تو وہ شخص عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اپنے خواب کا ان سے تذکرہ کیا چنانچہ ان لوگوں نے (قبر کھول کر) دیکھا تو ان کے بدن کا وہ پہلو جو زمین سے لگا ہوا تھا زمین میں پانی رسنے کی وجہ سے سبزی مائل ہو گیا تھا تو ان کو وہاں سے (دوسری جگہ) منتقل کر دیا راوی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ کافور جوان کی آنکھوں پر تھا اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی سوائے ان کے بالوں کی چوٹی کے جو اپنی جگہ سے ٹل گئی تھی، تو ان لوگوں نے انکو دفن کرنے کے لیے ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کے گھروں میں سے ایک گھر دس ہزار درہم میں خریدا اور انکو اس میں دفن کر دیا۔

یہ مستند تاریخی واقعہ ہے جس سے شہداء کی حیاتِ ابدی پر روشنی پڑتی ہے۔ تاریخی روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ شہداء کا خون بھی ان کے جسم کی طرح متغیر نہیں ہوتا بلکہ جوں کا توں رہتا

ہے۔اگر ہماری کوئی انگلی کٹ جاتی ہے تو خون کچھ دیر کے بعد مردہ ہو کر سیاہ ہو جاتا ہے۔غور کیجیے کہ شہداء کی زندگیاں کیسی ہیں کہ طویل عرصے کے بعد بھی ان کا خون زندہ ہے۔شہداء زندہ ہیں لیکن ان کی زندگیوں کو کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ. (البقرۃ:۱۵۴)	اور اللہ تعالیٰ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. (آل عمران:۱۶۹)	جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں انکو ہرگز مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کی طرف سے رزق دیے جاتے ہیں۔

یہاں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ برزخی زندگی، دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہوتی ہے۔شہداء سانس نہیں لیتے مگر زندہ ہیں۔کچھ کھاتے پیتے نہیں مگر زندہ ہیں۔رب العٰلمین انھیں رزق پہنچا رہا ہے مگر وہ دنیا کا کوئی رزق نہیں ہے۔وہ کیا اور کیسے کھاتے ہیں صحیح احادیث میں اس کا جتنا ذکر اور تفصیل موجود ہے فقط اسی پر ایمان رکھنا چاہیے۔ہر قسم کے قیاس واجتہاد اور رائے زنی سے اجتناب کرنا چاہیے۔ہمارے اسلاف کا یہی مؤقف رہا ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔

حیوانات

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا	اس نے جانور پیدا کیے جن میں تمھارے لیے پوشاک بھی ہے اور طرح طرح کے دوسرے

تَاكُلُوْنَ. وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ	فائدے بھی۔اس میں تمھارے لیے جمال ہے۔
حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ	جب کہ تم صبح کے وقت انھیں چرنے کے لیے بھیجتے
تَسْرَحُوْنَ. وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ	ہو اور جب کہ شام کے وقت انھیں واپس لاتے
اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا	ہو وہ تمھارے لیے بوجھ ڈھو کر ایسے ایسے مقامات
بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ	تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جاں فشانی کے
رَّحِيْمٌ. وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ	بغیر نہیں پہنچ سکتے۔حقیقت یہ ہے کہ تمھارا رب بڑا
وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً	ہی شفیق اور مہربان ہے۔اس نے گھوڑے اور خچر،
وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ. (النحل:۵تا۸)	گدھے پیدا کیے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمھاری زندگی کی رونق بنیں ۔ وہ اور بہت سی چیزیں تمھارے فائدے کے لیے پیدا کرتا ہے جن کا تمھیں علم تک نہیں ہے۔

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حیوانات کی تخلیق میں جو گونا گوں فوائد ہیں ان کا ذکر اس لیے کیا ہے تا کہ انسان اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر غور کرے اور یقین کرے کہ ہمارا رب بڑا ہی مہربان اور شفیق ہے، اس کی تخلیق اور انسانی ضروریات میں بڑی ہم آہنگی ہے۔

حیوانات میں افزائشِ نسل

حیوانات میں افزائشِ نسل کو بڑے اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ	اور یہ کہ اسی نے جوڑا یعنی نر و مادہ
وَالْاُنْثٰى. مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا	پیدا کیا ہے نطفہ سے جبکہ وہ ٹپکایا جاتا
تُمْنٰى. (النجم:۴۵تا۴۶)	ہے۔

اس آیت میں افزائشِ نسل کے لیے بتایا گیا ہے کہ ایک رقیق شے کی قلیل مقدار درکار ہوتی

ہے۔اس مضمون پر یہاں مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ جانوروں میں انسانی فوائد سے متعلق یہ آیت ملاحظہ کیجیے:

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً	اور چوپایوں کے وجود میں تمھارے لیے
نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ	بڑی ہی عبرت ہے۔انھیں جانوروں کے
مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا	جسم سے ہم خون اور کثافتوں کے درمیان
خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۔	پاک وصاف دودھ پیدا کر دیتے ہیں جو
(النحل:٦٦)	پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔

دودھ ،فضلہ اور خون کے درمیان سے پیدا ہوتا ہے، لیکن اس میں فضلہ کی کوئی آمیزش ہوتی ہے نہ خون کا کوئی شائبہ، یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ یہ کرشمۂ قدرت ایسا ہی ہے جیسے کھیت میں جانوروں کے فضلات اور نالیوں کی کیچڑ سے تیار کھاد کھیتوں میں آپ ڈال دیتے ہیں۔اس کھیت سے گیہوں، جو،مٹر وغیرہ اناج تیار ہوتا ہے لیکن ان میں کیچڑ وغیرہ کسی پلیدگی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جو غذا بھی حاصل ہوتی ہے وہ پاک وصاف اور خالص ہوتی ہے۔یہی دودھ کا بھی حال ہے۔غور وفکر کرنے والوں کے لیے بڑی بصیرت ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً اور جانوروں میں تمھارے لیے عبرت ہے۔ یہاں ایک اور پہلو خصوصی توجہ کا متقاضی ہے۔ جنگلوں میں بھی گائیں ،بھینسیں رہتی ہیں۔ وہاں کی آب وہوا ہر قسم کی آلودگی سے پاک وصاف ہوتی ہے۔ان کی غذا بھی زیادہ اچھی ہوتی ہے۔لیکن قدرت ان کے تھنوں میں اتنا ہی دودھ پیدا کرتی ہے، جس سے ان کے بچے آسودہ ہوسکیں۔مگر جب انھیں گایوں، بھینسوں کو انسان پالتا ہے تو ان میں دودھ صرف اتنا ہی پیدا نہیں ہوتا جس سے ان کے بچے شکم سیر ہوکر پروان چڑھ سکیں۔ بلکہ قدرت فاضل دودھ

پیدا کرتی ہے تا کہ پالنے والے اور ان کے بچے اس دودھ سے سیراب ہوسکیں۔ یہ اس لیے ہے کہ پالنے والے جانوروں پر کافی خرچ کرتے ہیں، انکی اچھی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ یہ فاضل دودھ انھیں چیزوں کا صلہ ہے۔ قدرت ہر ایک کو اس کی محنت کا اجر ضرور دیتی ہے۔

یہاں اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ دودھ کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ اور دودھ کیسے پیدا ہوتا ہے؟ سورہ نحل آیت ۶۶/ میں اس چیز کا بیان ہے، اس کو غور سے پڑھیے۔ ڈاکٹر موریس بکائے لکھتے ہیں:

> ''قرآن کریم نے اس بارے میں جو کچھ بتایا ہے، وہ جدید معلومات کے ساتھ کلیتاً مطابقت رکھتا ہے۔''

دودھ سے ایک اور زیادہ قیمتی چیز حاصل کی جاتی ہے، وہ گھی ہے۔ اس دور میں گھی ایک اور طریقے سے بھی تیار کیا جاتا ہے، اسے بناسپتی گھی کہتے ہیں۔ آج کل ہر جگہ بڑی کثرت سے اس کا استعمال ہو رہا ہے۔ ان دونوں قسموں کے گھی کا ایک دوسرے سے موازنہ کیجیے۔ ڈاکٹر چین جدید دنیا کے صناعوں کو مخاطب کر رہا ہے، وہ کہتا ہے:

> ''تم نے صنعت وحرفت میں غیر معمولی ترقیاں کر لی ہیں، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ نہ بھولو کہ گھاس سے تم نے بھی گھی بنایا اور گھاس ہی سے گائیں بھی گھی بناتی ہیں مگر جیسا گھی گائیں بناتی ہیں، ویسا ہزار ترقی کے باوجود تم گھی تیار نہ کر سکے۔ تمھارے بنائے ہوئے گھی میں نہ وہ ذائقہ وہ خوشبو ہے اور نہ انسانی جسم کے لیے وہ قوت و افادیت۔''

جس زمانے میں اس صنعت پر بہت کچھ لکھا جا رہا تھا، اس وقت میں نے کسی اخبار میں پڑھا تھا کہ وناسپتی گھی کا ایک چوہے پر تجربہ کیا گیا، کچھ دنوں تک اس کو کھلایا گیا، انجام کار اس کی بینائی کمزور ہوگئی۔ اس کے برعکس گائے کے خالص گھی کو آنجن کی طرح استعمال کرنے سے

بینائی بڑھ جاتی ہے اور بہت سارے امراضِ چشم سے انسان کونجات مل جاتی ہے اور گھی جتنا پرانا ہوگا اتنا ہی زیادہ مفید ہوگا۔ گائے کے دودھ سے نکلا ہوا گھی قدرت کی صنعت کا کرشمہ ہے، انسانی صنعت سے اس کا مقابلہ وموازنہ ہی کیا!

حیوانی برادری کا ذکر

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ. (الانعام:۳۸)

اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں، ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمھاری طرح کے گروہ نہ ہوں۔ ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی، پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کیے جائیں گے۔

جماعت وبرادری کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ ان کے درمیان نظم وضبط اور کوئی ایسی تنظیم ہو جس سے تمام افراد وابستہ ہوں۔ جانوروں اور پرندوں میں کسی تنظیم کا سراغ لگانے کے لیے موجودہ دور میں انسان نے کافی کوششیں کی ہیں۔ ڈاکٹر موریس بکائے لکھتے ہیں:

> ”قریبی دس سالوں میں حیوانی طرزِ عمل کا بغور جائزہ لیا جاچکا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حقیقی طور پر حیوانی برادرای وجود رکھتی معلوم ہوئیں۔ یقیناً طویل عرصہ تک ایک جماعت یا برادری کے کام کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان میں برادری کی تنظیمیں قائم ہیں۔“

ڈاکٹر موصوف نے کسی مخصوص جانور یا پرندے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ میں اپنے مشاہدے کی بنیاد پر کچھ چار پایوں اور چڑیوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میری طرح بہت سارے لوگوں کا میرے جیسا ہی مشاہدہ ہوگا۔ میں نے ہرنوں کے غول کو بارہا چلتے پھرتے دوڑتے

اور قلانچیں مارتے دیکھا ہے۔ وہ بڑے ہی نظم وترتیب کے ساتھ حرکت کرتے ہیں، ان میں جوسب سے بڑا اور خاندان کا سربراہ ہوتا ہے وہ آگے ہوتا ہے باقی تمام اہلِ خاندان اس کے پیچھے اس کی قیادت ورہنمائی میں چلتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی جماعت سے جدا نہیں ہوتا اور نہ ہی سربراہ کسی فرد کو جماعت سے باہر کرتا ہے، بلکہ سب کو سمیٹ کر منزل کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔ پھر ہرنوں کا غول جب کہیں آرام کی غرض سے بیٹھتا ہے تو منظر بہت ہی سبق آموز ہو جاتا ہے۔ ہرنوں کے رخ کسی ایک سمت نہیں ہوتے بلکہ مختلف جہتوں میں ہوتے ہیں تاکہ غفلت میں کسی شکاری کا نشانہ نہ بن جائیں۔ اس احتیاطی طرزِ عمل کی انھیں کون تلقین کر رہا ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور ہو سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں!

اور پھر جب تمام افراد آرام کرنے لگتے ہیں، ان کے ہادی ورہنما کا حال قابلِ دید ہو جاتا ہے۔ سب کچھ دیر کے لیے سو جاتے ہیں لیکن ان کا سردار اور رہنما تھوڑی دیر کے بعد مضطربانہ کھڑا ہو کر چاروں طرف نگاہ دوڑاتا ہے۔ جہاں کہیں خطرے کی بو محسوس ہوئی، وہ اپنے متبعین کو لے کر محفوظ منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ ایک صحیح رہنما کی یہی شان ہے کہ وہ اپنی ذات سے زیادہ اپنے پیروی کرنے والوں کے آرام کا خیال رکھے۔

تم ایسے کو اپنا رہنما ہرگز منتخب نہ کرو جو خود ایئر کنڈیشن کمرے میں قوم وملک سے غافل محوِ خواب ہوتا ہے اور تمھیں سر چھپانے کو جھونپڑا بھی نصیب نہیں ہوتا۔

زمین پر چلنے والی مخلوقات میں چیونٹیاں بھی ہیں۔ اب ذرا ان کے حالاتِ زندگی اور طرزِ عمل کا جائزہ لے کر دیکھیے کہ ان میں نظم وضبط اور تنظیم کی کیا کیفیت ہے، تحقیق کرنے والوں نے بتایا ہے کہ چیونٹیاں جو کچھ کھانا ہوتا ہے کھا لیتی ہیں اور اسی کے ساتھ بوقتِ ضرورت کام آنے کے لیے بطور احتیاط کھانے کی اشیاء اپنی بلوں میں محفوظ کر لیتی ہیں۔ پھر

بارش کے موسم میں جب دھوپ نکلتی ہے تو ان غذائی اشیاء کو دھوپ میں رکھ کر سکھاتی ہیں۔ یہ بھی مشاہدے میں آیا ہے کہ اگر کوئی کھانے کی چیز زیادہ وزنی ہے، ایک چیونٹی اسے اپنے مسکن میں لے جانے سے قاصر ہے تو کوئی دوسری چیونٹی اس کے ساتھ تعاون کرتی ہے۔ دونوں مل کر اس چیز کو اپنے مسکن میں پہنچا دیتی ہیں۔ ان سب باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں اجتماعیت بھی ہے اور دوُر اندیشی بھی۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی حجت قرآن مجید کی ایک آیتِ کریمہ ہے:

حَتّٰی اِذَا اَتَوْا عَلٰی وَادِ	جب وہ (حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان
النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَّاَيُّهَا	کی فوج) چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو
النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا	ایک چیونٹی نے کہا، اے چیونٹیو! اپنے اپنے
يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ	مسکنوں میں داخل ہو جاؤ، ایسا نہ ہو کہ
وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا	سلیمان (علیہ السلام) اور انکا لشکر تمھیں روند
يَشْعُرُوْنَ. (النمل:۱۸)	ڈالے۔ اور ان کو اسکا شعور بھی نہ ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ چیونٹیوں میں شعور بھی ہوتا ہے اور برادری کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ بھی اور یہ اپنی ہم جنسوں کو بوقتِ ضرورت مشورے اور ہدایات بھی دیتی ہیں۔ الغرض جماعت و برادری کو جس تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ان میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔

پرندے

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ	اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلنے والے ہیں
وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ	اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں
اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُم. (الانعام:۳۸)	بازوؤں سے اڑتے ہیں، ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمھاری طرح کے گروہ نہ ہوں۔

زمین پر چلنے والے حیوانات کی برادریوں پر گفتگو ہو چکی اب ہواؤں میں اڑنے والے پرندوں کی زندگیوں پر غور کیجیے۔ڈاکٹر موریس بکائے لکھتے ہیں:

> ''حیوانات میں ایسی تنظیموں کا وجود تسلیم کر لینے کے بعد (جو برادری کی تشکیل کے لیے ضروری ہے) اعصابی نظام کے ماہرین جب اس انوکھی تنظیم کی نمایاں مثالیں فراہم کرنی چاہتے ہیں تو سب سے زیادہ جن جانوروں کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ شہد کی مکھیاں، مکڑیاں اور پرندے بالخصوص موسمی پرندے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تینوں جماعتیں ایک انتہائی ترقی یافتہ تنظیم کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔''

میں سب سے پہلے موسمی پرندوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ان پرندوں کے طرزِ عمل کا جو بھی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرے گا وہ یقیناً محسوس کرے گا کہ ان میں مستحکم تنظیم بھی ہے اور کامل درجہ کا نظم و ضبط بھی۔تمام پرندے اپنی نوع یا برادری کے ساتھ رہتے ہوئے اس ضابطۂ حیات کے پابند رہتے ہیں جو قدرت نے ان کے لیے وضع کر دیا ہے۔اس سے سرِ مو بھی انحراف نہیں کرتے۔مختلف موسموں میں ان کی نقل و حرکت کے اندر کافی فکر انگیز پہلو ہیں۔جو پرندے برفانی علاقوں میں بود و باش رکھتے ہیں، وہ جب سردیوں کا زمانہ آتا ہے تو گرم علاقوں کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں۔یہاں غور طلب پہلو یہ ہے کہ ان پرندوں کو کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ گرم علاقہ کدھر ہے، وہاں اگر کوئی صاحبِ عقل و شعور انسان بھی ہو تو نہیں سمجھ سکتا کہ کس سمت گرم علاقہ ہے۔پھر پرندوں میں تو عقل و شعور نہ فہم و فراست ہے پھر کون ہے جو ان کی رہنمائی کر رہا ہے؟ یقیناً وہ خدا ہے، کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی۔ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی۔ (سورہ اعلیٰ: ۲-۳)	وہ پروردگار، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اسے ٹھیک ٹھیک درست کر دیا اور جس نے ہر وجود کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا اور پھر اس پر راہِ عمل کھول دی۔

وہی رب العلمین ہے جس نے ان پرندوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ تمھاری منزلِ مقصود اس سمت میں ہے۔ سمتِ سفر کے تعین کے بعد یہ پرندے کبھی بھی الگ الگ متفرق و منتشر حالت میں سفر نہیں کرتے، بلکہ اپنے تمام افرادِ خانہ کو ساتھ لے کر روانہ ہوتے ہیں اور پورے نظم و ضبط کے ساتھ خاندان کا سربراہ قائد و رہنما ہوتا ہے۔ باقی سب اس کی تبعیت میں محوِ پرواز رہتے ہیں۔ ایک خاص قسم کے پرندے ایسے ہیں جو وی (V) کی شکل بنا کر پرواز کرتے ہیں، حسبِ دستور ان کا قائد آگے ہوتا ہے اور باقی پرندے دو رویا صف بنا کر اڑتے ہیں۔ ایک خاص بات مشاہدے میں یہ آئی ہے کہ اگر صفوں میں کہیں کوئی کجی پیدا ہوتی ہے تو قائد بہت زوردار آواز میں تنبیہ کرتا ہے اور پرندے فوراً صفیں درست کر لیتے ہیں۔ کجی ذہنی پراگندگی کی دلیل ہوتی ہے جو اس طویل سفر کے لیے سخت نقصاندہ ہوتی ہے۔ یہ انوکھی تنظیم موسمی پرندوں میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ اب میں ایک ایسے پرندے کا ذکر کر رہا ہوں جس کی دریافت موجودہ دور میں ہوئی ہے۔ ڈاکٹر موریس بکائے نے اپنی کتاب ''بائبل قرآن اور سائنس'' میں لکھتے ہیں:

> ''ننھے منے پرندے طویل اور انتہائی پیچیدہ سفر بغیر کسی سابقہ تجربہ اور بغیر کسی رہنما کے مکمل کر لیتے ہیں۔ یہ بات ان کی اس خوبی کے علاوہ ہے کہ وہ ایک مقررہ تاریخ پر واپس آ جاتے ہیں جہاں سے وہ روانہ ہوئے تھے۔''

ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ پروفیسر ہمر گر اپنی کتاب ''طاقت اور کمزوری'' میں مٹن برڈ کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''یہ پرندہ بحرالکاہل کے علاقے میں رہتا ہے۔ وہ پندرہ ہزار پانچ سو میل کا سفر انگریزی ہندسہ آٹھ (8) کی شکل میں ترتیب دے کر طے کرتا ہے۔ یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ اس قسم کے سفر کے لیے انتہائی پیچیدہ ہدایات اس پرندے کے بعض اعصابی خلیات میں ہی شامل ہو سکتی ہیں۔ وہ بیحد واضح طور پر منضبط ہوتی ہیں۔''

لیکن اس انضباط کو وجود میں لانے والا کون ہے؟ یہی وہ سوال ہے جس کے صحیح جواب میں پروفیسر ہمر گر کی تحقیق کی تکمیل منحصر ہے۔ خالقِ کائنات کو تخلیقِ کائنات سے الگ کر کے کوئی توجیہہ ممکن نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مٹن برڈ پرندہ اتنی طویل اور پیچیدہ راہوں میں سلامتی کے ساتھ سفر محض اللہ کی ہدایت و رہنمائی ہی میں کرتا ہے:

رَبُّنَا الَّذِیٓ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی

ہمارا پروردگار وہی ہے جس نے ہر چیز کو اسکی بناوٹ دی، پھر اس پر زندگی و معیشت کی راہ کھول دی۔

مکڑیاں

قرآن پاک میں مکڑیوں کا ذکر اس کے مسکن (تارِ عنکبوت) کی نزاکت و کمزوری کو واضح کرنے کے لیے کیا گیا ہے، جو سب سے زیادہ بودا ہوتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ كَمَثَلِ الۡعَنۡكَبُوۡتِ اِتَّخَذَتۡ بَيۡتًا وَ اِنَّ اَوۡهَنَ الۡبُيُوۡتِ لَبَيۡتُ الۡعَنۡكَبُوۡتِ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ. (العنکبوت:۴۱)

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست (یعنی کارساز) بنالیے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے، جو اپنا ایک گھر بناتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا ہوتا ہے۔ کاش یہ لوگ علم رکھتے۔

ڈاکٹر موریس بکائے لکھتے ہیں:

''مکڑی کا جالا ریشمی دھاگوں کا ہوتا ہے جو اس جانور کے غدوددوں سے رس کر نکلتا ہے اور وہ بے انتہا مہین ہوتا ہے۔ اس کی نزاکت کی نقل انسان نہیں کر سکتا۔ ماہرین حیوانات کام کے اس غیر معمولی نمونے سے، جو اس جانور کے اعصابی خلیات سے ترتیب پاتا ہے، مسحور ہو جاتے ہیں۔ اس اعصابی نظام سے اس جانور کو ایک مکمل ہندسی نوعیت کا جالا تاننے میں مدد ملتی ہے۔''

دیکھیے! انسانوں کے نزدیک مکڑی کی کوئی اہمیت نہیں ہے، لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ مکڑیوں میں انتہائی ترقی یافتہ تنظیم موجود ہے اور یہ اپنے کمزور و نازک گھر اقلیدس کے اصول پر تیار کرتی ہیں۔ انسان جوں جوں غور و فکر کرتا جائے گا، پوشیدہ اسرار سے پردے ہٹتے جائیں گے اور ساتھ ہی ان کی حیرت زدگی میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ لیکن حیرت و استعجاب کی منزل میں رک جانا عقل مندی نہیں ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ جرأت کے ساتھ یہ حقیقت تسلیم کر لو کہ یہ سب اندھی بہری فطرت یا قانونِ ضرورت کی کارفرمائی نہیں ہے۔ بلکہ یہ صناعِ عالم کی صنعت کا کرشمہ ہے۔

کائنات کی ہر شے اس امر کی دعوت دے رہی ہے۔

خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لالۂ و گل سے کلام پیدا کر اقبالؔ

شہد کی مکھیاں

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ	اور دیکھو تمھارے پروردگار نے شہد کی مکھی
اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا	کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں
وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا	اور درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جو اسی
یَعْرِشُوْنَ. ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ	غرض سے بلند کی جاتی ہیں، اپنے گھر
الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ	(چھتے) بناؤ اور ہر طرح کے پھلوں سے رس
رَبِّكِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْۢ	چوسو اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی
بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ	راہوں پر چلتی رہو اور اس مکھی کے اندر
اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ	سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے، اس
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ	میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ یقیناً اس میں
یَّتَفَكَّرُوْنَ. (النحل: ۶۸ تا ۶۹)	غور وفکر کرنے والوں کے لیے نشانی ہے۔

ان آیات کی تلاوت سے جس چیز پر سب سے پہلے روشنی پڑتی ہے وہ یہ کہ شہد کی مکھیوں کی تمام نقل وحرکت پروردگار عالم کی الہامی ہدایت ورہنمائی میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔ شہد کی مکھیوں کے بارے میں ڈاکٹر موریس بکائے لکھتے ہیں:

> ''جس کے معاملہ کا سب سے زیادہ مطالعہ کیا گیا ہے اور جس کے بارے میں سب سے زیادہ واقفیت ہے وہ شہد کی مکھی کا معاملہ ہے۔ جس کے طرز عمل اور کارگزاری سے ''فان فریش'' کا نام وابستہ ہے۔ فان فریش لارنیز اور ٹمبرگین نے اس شعبہ میں جو کام کیا اس کے لیے میں 1973ء میں نوبل انعام ملا تھا۔''

یہ بات تحقیق سے معلوم ہوئی کہ شہد کے مکھی کے ناچ کا ڈھنگ دوسری مکھیوں کی جانب خبر رسانی کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔اس طریقہ سے شہد کی مکھیاں اپنے نوع کو ہدایت اور ان پھولوں پھلوں کے فاصلہ کے متعلق معلومات فراہم کرتی ہیں جس سے رس جمع کرنا ہوتا ہے۔ فان فریش نے اس سلسلہ میں جو تحریر کیا ہے وہ اس مخلوق کی نقل وحرکت کے مفہوم کو واضح کر دیتا ہے۔جس کا مقصد مزدور مکھیوں کے درمیان خبریں منتقل کرنا ہے۔ (بائبل قرآن اور سائنس :۱۱۴)

دورِ جدید کے ماہرینِ حیوانات کی تحقیق نے یہ واضح کر دیا ہے کہ شہد کی مکھیوں میں انتہائی ترقی یافتہ تنظیم ہے اور ان کے درمیان باہمی اتحاد وتعاون بھی اعلیٰ پیمانے کا ہے۔اس بارے میں کون شبہہ کر سکتا ہے کہ ان کی بھی انسانی جماعت و برادری کی طرح ایک برادری ہے۔اور اسی حقیقت کو قرآنِ عظیم نے ان لفظوں میں واضح کیا ہے:امم امثالکم۔ یعنی حیوانات و بہائم و پرندے سب تمھارے ہی مثل جماعتیں اور برادریاں ہیں۔

اب تک میں نے دورِ جدید کی تحقیقات پیش کی ہیں۔اب صدیوں پہلے حجۃ الاسلام امامِ غزالی علیہ الرحمہ نے شہد کی مکھیوں کے بارے میں جو فرمایا ہے اُسے غور سے پڑھیے۔ انشاءاللہ آپ اپنے اندر بصیرت محسوس کریں گے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ نے سب سے پہلے ان چھتوں کی بناوٹ پر توجہ مبذول کی ہے۔فرماتے ہیں کہ:

''مکھیوں کے جسم گول ہوتے ہیں تو اگر ان کے خانے گول گول ہوتے تو یقیناً گول جسم کے لیے اس اعتبار سے موزوں ہوتے کہ گول جسم ان میں اچھی طرح فٹ ہو جاتے، لیکن اس صورت میں ایک بہت بڑا نقص پیدا ہو جاتا۔کیوں کہ جب گول گول خانوں کو ملایا جاتا تو خانوں کے درمیان خلا

رہ جاتا ۔آپ خود چند گول چیزوں کو اکٹھا کر کے دیکھ لیجیے۔اس صورت میں چھتے کا بہت بڑا حصہ بیکار ہو جاتا۔ اچھا اگر مکھیاں مربع یعنی چوکور کھانے بناتیں تو وہ نقص نہیں رہتا جو گول خانوں کی شکل میں ہوتا۔ یعنی خانوں کے درمیان کوئی خلا نہ رہتا۔لیکن پھر ایک دوسرا نقص پیدا ہو جاتا، کیوں کہ گول جسم جب چوکور خانے میں رکھا جائے تو خانے کے چاروں گوشوں میں خلا رہ جائے گا۔اقلیدس (جیومٹری) کے لحاظ سے صرف مسدس یعنی چھ گوشوں والا خانہ ہی ایسا ہے کہ گول جسم کے لیے پورے طور پر موزوں ہے اور باہم ملانے میں کوئی خلا بھی نہیں رہ جاتا۔اسی لیے شہد کی مکھیوں نے مسدس خانوں کا انتخاب کیا ہے۔''

کیا شہد کی مکھیاں خود سے یہ فیصلہ کرسکتی ہیں؟ کیا اقلیدس (جیومٹری) کا ان کو درس دیا گیا ہے؟ نہیں، بلکہ ان کی ہر نقل و حرکت وحیِ الٰہی کی رہنمائی میں ہوتی ہے۔مسدس خانوں کا تعین خدا کی طرف سے ہے۔ان میں مکھیوں کے شعور کا کوئی دخل نہیں ہے:

وَاَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ	اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کو حکم دیا کہ
اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ	ہر طرح کے پھلوں سے رس چوسو اور
الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ. ثُمَّ کُلِیۡ	اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر
مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ. (النحل:٦٨)	چلتی رہو۔

آیتِ کریمہ کے اس حصہ میں اہلِ دانش کے لیے دعوتِ فکر ہے۔شہد کی مکھیاں ہر طرح کے پھولوں اور پھلوں سے رس چوستی ہیں، جن میں بعض ترش و تلخ بھی ہوتے ہیں لیکن ان کے اندر سے ہمیشہ خوش ذائقہ مشروب برآمد ہوتا ہے۔مثلاً سرسوں کے پھولوں سے مکھیاں جو رس چوستی ہیں، اس سے نہایت خوش ذائقہ، خوش رنگ و شیریں شہد پیدا ہوتا ہے۔اس کے برعکس انسان سرسوں سے جو کشید کرتا ہے وہ کڑوا تیل ہوتا ہے۔نیم کے پھول یا پھل کی بدمزگی کا

حال یہ ہے کہ ان کا منہ میں رکھنا بھی آسان نہیں ہے۔ انسان کی کشید کا حاصل نیم کا تیل کیسا ہوتا ہے۔ سب جانتے ہیں بدمزہ ہونے کے ساتھ ساتھ سخت بدبودار بھی ہوتا ہے، لیکن شہد کی مکھیاں انھیں چیزوں سے رس چوس کر شہد تیار کرتی ہیں، جو شیریں اور خوش ذائقہ ہونے کے ساتھ ساتھ خوشبودار ہوتا ہے۔ شہد کی مکھیاں نیم کے درختوں میں جو چھتے بناتی ہیں ان کا شہد آنکھوں کے لیے خصوصیت کے ساتھ مفید ہوتا ہے۔ یہاں سوچنے اور غور وفکر کرنے کی چیز یہ ہے کہ شہد کی مکھیاں پھولوں اور پھلوں سے وہ کون سا جوہر چوستی ہیں جو تلخیوں سے پاک ہوتا ہے؟ اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ قدرت کی کارفرمائی ہے۔

انسانی برادری

حیوانی برادری پر بحث ختم ہوئی اور آپ پڑھ چکے کہ جدید تحقیق نے قرآن عظیم کی بیان کی ہوئی حقیقت کو تسلیم کرلیا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ
وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ
اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ. (الانعام: ۳۸)

اور جتنے قسم کے جاندار زمین پر چلتے ہیں اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں جو اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمھاری طرح کے گروہ نہ ہوں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انسانی برادری کی نوعیت کیا ہے۔ پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ زمین پر چلنے والے حیوانات ہوں یا ہواؤں میں اڑنے والے پرندے، سب کی کوئی ایک برادری نہیں ہوسکتی تھی کیوں کہ ان میں ہر نوع اپنے خلقی مزاج وطبیعت کے لحاظ سے تمام دوسری انواع سے مختلف ہوتی ہے۔ ان کے جبلی اور فطری تقاضے باہم متضاد ہیں اس صورت میں سب کے لیے کوئی ایک ضابطۂ حیات ہوسکتا ہے نہ کوئی ایسی تنظیم جو ان کو ایک گروہ اور

ایک جماعت کی تشکیل میں مدد دے سکے۔

ظاہر ہے کہ شیر اور ہرن، بھیڑیا اور بکری، کبوتر اور باز ایک برادری کی حیثیت سے مل جل کر نہیں رہ سکتے۔اس کے برعکس تمام انسان خواہ کہیں کے رہنے والے ہوں اور ان کے رنگ روپ اور ان کی زبانوں میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو اللہ نے سب کو ایک ہی فطرت پر پیدا کیا ہے، سب کا خمیر ایک ہے، سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔قال اللہ تعالیٰ:

يَـاَ يُّهَـا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا. (الحجرات:۱۳)	(اس آیتِ کریمہ میں پوری دنیا کے لوگوں سے خطاب ہے) اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک ماں باپ سے پیدا کیا ہے اور تمھارے درمیان شعوب و قبائل ہم نے اس لیے بنائے کہ تم آسانی سے ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَ اِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ كُلُّكُمْ مِنْ آدَمُ وَ آدَمُ مِنْ تُرَاب.	یقیناً تمھارا رب ایک ہے، تمھارا باپ ایک ہے۔تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے۔

جب بنی نوع انسان کی حقیقت یہ ہے تو خلقتاً ان کی ایک سے زیادہ برادریاں نہیں ہوسکتیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ایک ہی جماعت بنائی تھی۔ارشاد باری ہے:

وَاِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ وَاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ. (المومنون:۵۲)	اور (دیکھو) یہ تمھاری امت فی الحقیقت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں۔تم میری نافرمانی سے بچو۔

اس بارے میں قرآن عظیم کے ارشادات کا ماحصل یہ ہے کہ ابتدا میں تمام انسانوں کی ایک جمعیت تھی اور لوگ قدرتی طور پر زندگی گزارتے تھے اور سب اپنے حال پر

قانع تھے۔ان کے درمیان کوئی اختلاف اور کسی قسم کی مخاصمت نہیں تھی اور پھر جب نسلِ انسانی کافی بڑھ گئی اور معاشی اعتبار سے لوگوں میں فرق واقع ہو گیا اور کوئی امیر اور کوئی فقیر ہو گیا تو پھر طرح طرح کے اختلافات پیدا ہونے لگے اور شیطان کی دسیسہ کاریوں کے نتیجے میں لوگ ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے اور دینی عقائد میں بھی بگاڑ پیدا ہو گیا تو ضروری ہوا کہ وحیِ الٰہی نمودار ہو چنانچہ انبیاء کرام کی بعثت کا سلسلہ شروع ہوا۔اور رسولوں کا بنیادی پیغام یہی تھا کہ خود ساختہ راہوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کے دینِ حنیف پر سب مجتمع ہو کر ایک امت بن جائیں۔قرآن کا یہ بیان ملاحظہ کیجیے:

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ. (یونس:۱۹)

اور تمام لوگ ایک ہی امت کے تھے پھر ان میں اختلافات پیدا ہو گئے اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ہی ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا خْتَلَفُوْا فِيْهِ. (البقرۃ:۲۱۳)

ابتدا میں تمام انسان ایک ہی گروہ تھے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور انکے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انسانوں کو جس دین پر مجتمع ہونے کا حکم دیا ہے اور جو امتِ واحدہ کی اصل اور بنیاد ہے وہ دین کیا ہے؟ وہ دین فطرت ہے۔حضرت آدم علیہ

السلام سے لے کر بعد میں آنے والے تمام انبیاء ومرسلین کا ایک ہی دین رہا ہے اور سب نے اسی دین کی تبلیغ فرمائی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیغمبرِ اسلام روحی فدا ﷺ کو اسی کی پیروی کا حکم دیا ہے اور آپ نے اسی دین پر تمام بنی نوع انسان کو مجتمع ہونے کی دعوت دی ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ. (الشوریٰ:۱۳)	اسی نے تمھارے لیے دین کی وہی راہ قرار دی ہے جس پر چلنے کی وصیت نوح کو کی تھی اور جس پر چلنے کا حکم ابراہیم، موسیٰ وعیسیٰ کو دیا تھا۔ (علیہم الصلوۃ والسلام) انکی تعلیم یہی تھی کہ اللہ کا دین قائم رکھو اور اس میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔

یعنی اسی ایک دین پر مجتمع رہو۔ الگ الگ نہ ہو جاؤ۔ اسی دین پر انسان کی تخلیق ہوئی ہے اور اللہ نے اپنے نبی کو یک سو ہو کر اسی کی جانب متوجہ ہونے کا حکم دیا ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا، فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. (الروم:۳۰)	بس آپ یک سو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف کر لیجیے، اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

یہاں دین سے مراد توحید ہے۔ یعنی انسانی فطرت میں اللہ کی الوہیت وربوبیت کا عقیدہ موجود ہے۔ دیکھیے! روزِ اَلَست جب پروردگارِ عالم نے ذریتِ آدم سے پوچھا تھا

"الست بربکم" کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ تو بیک زبان سب نے کہا "بلیٰ" یقیناً تو ہمارا رب اور پالنے والا ہے۔

انبیاء کرام اپنی اپنی امتوں کو الست کے واقعہ کی یاددہانی کراتے رہے۔ اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے ہی بفضلہٖ تعالیٰ عقیدۂ توحید انسانی فطرت میں موجود ہوتا ہے، لہذا اس دنیا میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ دینِ فطرت پر جنم لیتا ہے، خواہ مسلمان کا بچہ ہو یا غیر مسلم کا۔ اب ایک مشہور حدیث کا مفہوم آپ زیادہ آسانی سے سمجھ سکیں گے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے:

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَ	ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اسکے ماں
اَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ وَيُنَصِّرَانِهٖ	باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا
وَيُمَجِّسَانِهٖ. (بخاری)	مجوسی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے یہ نہیں فرمایا پھر اس کے ماں باپ اسے مسلمان بنا دیتے ہیں۔ کیوں کہ بچہ فطرتِ اسلامیہ پر پیدا ہوتا ہی ہے۔ مسلمان ماں باپ کا کام بس اتنا ہوتا ہے کہ جو کچھ اسکی فطرت میں پوشیدہ ہے اسے وہ شعور و آگہی کی سطح پر پہنچا دیتے ہیں۔ بچہ کو عقیدۂ توحید کی تفصیل اور اس کے مقتضیات سے آگاہ کر دیتے ہیں۔

عقیدۂ توحید جو ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے، جب تک عقیدۂ توحید انکی جمعیت کی اساس رہا، ان میں کسی قسم کا انتشار و افتراق نہ تھا۔ وہ مختلف وحدتوں میں منقسم نہ تھے۔ سب کی ایک امت، ایک جمعیت اور ایک برادری تھی۔ امیر ہو یا غریب سب بڑے سکون کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ لیکن پھر ایسا ہوا کہ رنگ و نسل، زبان و قومیت کی بنا پر بے شمار وحدتیں اور برادریاں وجود میں آ گئیں، انسانی وحدت کا شیرازہ بکھر گیا، اور وہ مختلف

اکائیوں میں بٹ گئی۔ ایک گھر سے نکلے ہوئے انسان ایک دوسرے کے لیے بالکل اجنبی بن گئے، ان کے درمیان نفرت وعداوت کی خلیجیں حائل ہوگئیں، ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے اس لیے نفرت کرنے لگا تھا کہ اسکے خیال میں دوسرا طبقہ فروتر نسل سے تعلق رکھتا ہے، نفرت و عداوت کی ایک وجہ یہ بھی بن گئی کہ اس کا وطن اور قومیت دوسری ہے، انسانوں کے درمیان نفرت وعداوت کا سلسلہ آج تک جاری ہے، بلکہ روز بروز اس میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

ان بیماریوں کا علاج کیا ہے؟ اتحاد و یکجہتی کا وہ کون سا رشتہ ہے جو رنگ و نسل، وطن و قومیت کے اختلافات کے باوجود سب کو ایک امت اور ایک جماعت بنادے؟ وہ خداپرستی کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ تمھاری نسلیں، تمھاری قومیتیں الگ الگ ہوسکتی ہیں، لیکن اللہ الگ الگ نہیں ہوسکتا۔ وہ تو یکساں سب کا خدا ہے۔ وہ مشرق ومغرب، زمین وآسمان کا پروردگار ہے۔ اسی کے آستانۂ کبریائی پر سر جھکادو۔ صرف اسی کی عبادت کرو، تم میں خود بخود احساس پیدا ہوجائے گا کہ جب ہم اسی کے غلام ہیں اور ہم سب کا آقا وہی ہے تو پھر آپس میں ایک دوسرے سے نفرت و عداوت کس لیے ہے؟ اور جب اخلاص سے اللہ کی عبادت کروگے تو تم میں تقوی و پرہیز گاری پیدا ہوجائے گی، فحش وبدکاری دور ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ	اے انسانو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس
خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ	نے تمھیں پیدا کیا اور ان سب کو پیدا کیا جو تم
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (البقرۃ:۲۱)	سے پہلے گزر چکے، تاکہ تم برائیوں سے بچو۔

جن وانس کی تخلیق اللہ کی عبادت وبندگی کے لیے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ	میں نے جن وانس صرف اپنی عبادت کے
اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ. (الذریٰت:۵۶)	لیے پیدا کیے ہیں۔

قرآن اور سائنس کی جدید تحقیقات

قرآنِ عظیم جس طرح اپنی فصاحت و بلاغت، نظم ونسق اور نادر اسلوبِ بیاں کے اعتبار سے معجزہ ہے، اسی طرح وہ ارض وسماوات کی تخلیق اور دوسرے حقائقِ کونیہ کے بیان میں بھی معجزہ ہے اور دنیا کو دعوتِ فکر دے رہا ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں پڑھیے۔ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے قرآنی اعجاز کا ذکر بعد میں آئے گا۔ فی الحال یہاں اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ قرآن نے جن حقائق کا انکشاف چودہ سو برس قبل کیا تھا، اس کے بارے میں جدید سائنس کیا کہتی ہے۔ سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ تخلیقِ کائنات کے بارے میں آج سائنس کا نظریہ کیا ہے۔ ''بائبل قرآن اور سائنس'' کے مترجم لکھتے ہیں کہ:

> ''کائنات کے وجود میں آنے کا جدید ترین نظریہ یہ ہے کہ ابتداء صرف توانائی تھی۔ اس نے بعد میں مادہ کی شکل اختیار کرلی۔ یہ مادہ پہلے گیس یا دخان کی شکل میں ظاہر ہوا، بعدۂ اس میں بادلوں کی طرح ٹکڑے ٹوٹ ٹوٹ کر سدیم وجود میں آئے، جن سے کہکشائیں بنیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور کائنات میں وسعت پیدا ہو رہی ہے۔ سدیمی مادے میں ٹوٹ پھوٹ ہوئی تو ستارے وجود میں آئے۔ پھر ان ستاروں میں دھماکہ ہوا اور کچھ ٹکڑے علیحدہ ہوئے اور سیارے وجود میں آئے۔ ہماری زمین بھی سورج کے تابع ایک سیارہ ہے جو سورج سے علیحدہ ہوئی۔''

خلاصہ یہ ہے کہ چاند، سورج، ستارے، سیارے، زمین کے وجود سے پہلے گیس یا دھوئیں کی شکل کا فضاء بسیط میں مادہ موجود تھا پھر اسی سے تمام اجرامِ سماوی اور زمین کا وجود ہوا۔ یہ ہے سائنس کا جدید ترین نظریۂ تخلیق۔ قرآنِ عظیم نے ذیل کی آیتوں میں زمین وآسمان دونوں کی تخلیق کا پہلو بہ پہلو ذکر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے مخاطب ہے:

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ. وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ. ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ. فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ.

(حٰم السجدہ:٩تا١٢)

اے نبی! ان سے کہو تم اس خدا سے کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہراتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں بنا دیا۔ وہی سارے جہان کا رب ہے۔ اور زمین کے اوپر پہاڑ جما دیے اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور اس کے اندر سب مانگنے والوں کے لیے ہر ایک کی طلب و حاجت کے مطابق ٹھیک ٹھیک اندازے سے خوراک کا سامان مہیا کر دیا۔ یہ سب کام چار دن میں ہو گئے پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا اس نے آسمان اور زمین سے کہا! وجود میں آجاؤ۔ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو۔ تو دونوں نے کہا کہ: ہم آگئے فرماں برداروں کی طرح۔ تب اس نے دو دن کے اندر آسمان بنا دیے اور ہر آسمان میں اس کے قانون کی وحی کر دی اور آسمانِ دنیا کو ہم نے چراغوں سے آراستہ کیا اور اسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ تقدیر اللہ کی ہے جو غالب اور علیم ہے۔

قرآنِ پاک نے ان آیات کے ابتدائی حصوں میں مختصراً زمین کی تخلیق اور اللہ تعالیٰ ربوبیت اور پروردگاری اور بندوں پر اس کی رحمت و برکت کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد تخلیقِ کائنات پر روشنی ڈالی ہے۔ ارشاد ہے: ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ ۔ لفظِ ثُمَّ

سے یہ نہ سمجھا جائے کہ زمین بنانے کے بعد اور اس میں آبادی کا انتظام کرنے کے بعد اس نے آسمان بنائے۔ یہاں ثم کا لفظ زمانی ترتیب کے لیے نہیں بلکہ بیانی ترتیب کے لیے استعمال ہوا ہے۔ بعد کے فقرے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

قرآنِ مجید کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ زمین و آسمان یعنی اجرامِ ساوی کے وجود سے پہلے فضائے بسیط میں صرف دھواں تھا۔ ڈاکٹر بکائے لکھتے ہیں:

> ''نزولِ قرآن کے وقت گیس کی تعبیر دخان کے سوا کسی اور لفظ سے نہیں ہو سکتی تھی۔''

یعنی قرآن مجید میں تقریباً چودہ سو برس پہلے بتا دیا تھا کہ تخلیقِ کائنات کا آغاز ایک گیسی مرغولے سے ہوا ہے اور صدیوں کی تحقیق و جستجو کے بعد سائنس اس حقیقت تک اس وقت پہنچ سکی جب ایک انتہائی طاقت ور دور بین کے ذریعہ سدیم یعنی گیسی مرغولے کو سائنس دانوں نے دیکھ لیا۔ یہاں میں بڑی سنجیدگی کے ساتھ دنیا کو دعوتِ فکر دے رہا ہوں کہ چودہ سو برس قبل بے آب و گیاہ سرزمین میں پیدا ہونے والا امی جس نے کسی مکتب میں کبھی قدم نہیں رکھا۔ جس کی قوم سائنس و فلسفہ کے نام سے بھی واقف نہیں تھی اس نے تخلیقِ کائنات کا اس درجہ صحیح اور واضح بیان کیسے کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کا بیان نہیں ہے بلکہ اس ذات کا بیان ہے جس نے کائنات کی تخلیق فرمائی ہے اور یہ رسول اپنے خدا کا کلام دنیا کو سناتا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔ یہ رسول اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا۔ یہ تو وحی ہوتی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ. (الانبیاء:۳۰)

کیا وہ لوگ جنھوں نے نبی کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے، غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان (اجرامِ سماوی) وزمین باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے ان کو جدا کر دیا۔اور پانی سے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا، کیا وہ ہماری اس خلاقی کو نہیں مانتے؟

آپ سائنس کی یہ تحقیق پڑھ چکے ہیں کہ سدیم یعنی گیسی مرغولے کے پھٹنے سے تارے وجود میں آئے اور پھر ستاروں میں دھماکے ہوئے تو کچھ اجزاء علیحدہ ہو کر ستاروں کے گرد چکر لگانے والے سیارے پیدا ہوئے ، انھیں میں سے ایک سیارہ زمین بھی ہے جو سورج سے علیحدہ ہوئی ہے۔مذکورہ صدر آیتِ کریمہ میں کیا یہی حقیقت بیان نہیں کی گئی ہے؟ یقیناً قرآن نے صدیوں پہلے بہت واضح لفظوں میں تخلیقِ کائنات کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا آج سائنس اسی کا اعتراف کر رہی ہے۔ وقت گزرتا جائے گا اور دنیا قرآنی صداقت کا اعتراف کرتی جائے گی۔ بالآخر تسلیم کرنا ہوگا کہ قرآن منزل من اللہ کتاب ہے۔کوئی انسانی تصنیف نہیں ہے:

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ. (حٰم السجدہ:۵۳)

ہم آفاق وانفس میں عنقریب اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ قرآن حق ہے۔

نظامِ سماوی

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ. (آل عمران: ۱۹۰)

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات و دن کے ایک کے بعد ایک کے آنے جانے میں عقل رکھنے والوں کے لیے اللہ کی ہستی اور اس کی قدرت وحکمت کی بڑی نشانیاں ہیں۔

تخلیقِ کائنات پر گفتگو کے بعد اب میں کائنات کے مستحکم نظام پر روشنی ڈال رہا ہوں۔ مادہ پرست ملاحدہ کہتے ہیں کہ تخلیقی عمل میں کسی علیم وحکیم کی کارفرمائی نہیں ہے بلکہ پوری کائنات خود بہ خود عدم سے وجود میں آگئی (معاذ اللہ) اور لطف یہ ہے کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر شے کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے جبکہ کوئی ایک شے بھی بلا سبب پیدا نہیں ہوسکتی تو پوری کائنات بلا سبب عدم سے کیسے وجود میں آگئی۔ کوئی موجد نہیں اور معدوم موجود ہوگیا، کیا کوئی عقل اسے قبول کرسکتی ہے؟ اور صرف یہی نہیں کہ نا قابلِ فہم حد تک وسیع کائنات وجود میں آگئی بلکہ اس کے ہر گوشے میں نظم وضبط اور حسنِ انتظام بھی موجود ہے۔ اور یہ بھی کہ ہر وہ چیز موجود ہے جو زندگی و معیشت کے لیے ضروری ہے۔ کیا بغیر منتظم کے یہ انتظام ممکن ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی علیم وحکیم نہ ہو اور علم وحکمت موجود ہو؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی پروردگار نہ ہو اور ربوبیت و پروردگاری کا پورا کارخانہ خود بخود وجود میں آجائے؟ نہیں ہرگز نہیں! اگر علم وحکمت ہے تو تسلیم کرنا ہوگا کہ کوئی علیم وحکیم بھی ہے۔ اگر کائنات کے ہر گوشے میں ربوبیت و پروردگاری کی نمود ہے تو یقیناً کوئی پروردگار بھی ہے۔ اگر کائنات میں حسنِ انتظام ہے تو یقیناً کوئی منتظم و کارساز بھی ہے اور وہ سارے جہان کا پیدا کرنے والا خدائے علیم وحکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

کائنات کو وجود بخشا تو ایک محکم نظام کا اسے پابند بھی کر دیا۔

دیکھیے! ہمارے کہکشانی عالم میں کروڑوں ستارے، سیارے گردش کر رہے ہیں لیکن ان میں کبھی کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ اجرامِ سماوی میں چھوٹے چھوٹے سیارے موجود ہیں لیکن کسی طاقت ور سیارے کی مجال نہیں کہ چھوٹے سیاروں کو دبوچ سکے:

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ	وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ	بنائے اور سورج اور چاند پیدا کیا۔ یہ سب
يَّسْبَحُوْنَ. (الانبیاء:۳۳)	اپنے اپنے مدار پر چل رہے ہیں۔

تمام اجرامِ سماوی کے لیے اللہ کی طرف سے حدود معین ہیں وہ کسی حال میں بھی اس سے تجاوز نہیں کر سکتے:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ.	چاند سورج مقررہ حساب کے پابند ہیں
وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ	اور ستارے اور درخت سب اپنے رب کا
وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ	سجدہ کرتے ہیں اور اللہ نے آسمان کو بلند
الْمِيْزَانَ. (الرحمٰن:۵تا۷)	کیا اور عدل وتوازن کا نظام قائم کر دیا۔

درختوں اور ستاروں کے سجدہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب خدا کے حکم کی پابندی کرتے ہیں۔ اس آیت کو غور سے پڑھیے: وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ. اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور عدل وتوازن کا نظام قائم کر دیا۔ چونکہ تمام اجرامِ سماوی ان راہوں کے پابند ہیں اس لیے ان میں کبھی کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا، اس میں انسانوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔ اللہ نے ہمارے لیے بھی زندگی کی ایک راہ معین کر دی ہے لیکن صد حیف انسان پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم سے ہٹ کر نئی نئی راہیں تلاش کر رہا ہے۔ اس وقت انسانوں کا حال

کچھ ایسا ہے کہ بقولِ غالب ؎

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

انتشار و پراگندگی کا یہی سبب ہے کہ ہم اللہ کی بتائی ہوئی راہ کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر چل رہے ہیں۔ اگر ہم دوسری راہوں کو چھوڑ کر اللہ کی ایک معین کردہ راہ پر گامزن ہو جائیں تو سارے اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

بہت سے نئے نظریات کا انسان نے تجربہ کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ روز بروز امن و سلامتی سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ نہ گلی کوچوں میں امن ہے نہ بازاروں اور پارکوں میں امن ہے اور انسان خود اپنے گھر میں بھی امن وسکون کی نعمت سے محروم ہے۔ کسی شاعر نے بہت خوب کہا ہے ؎

شہر میں چین نہ جنگل میں اماں ملتی ہے
دیکھیے قبر مسافر کو کہاں ملتی ہے

رات دن کا تواتر

يُغۡشِى الَّيۡلَ النَّهَارَ يَطۡلُبُهٗ حَثِيۡثًا. (الاعراف:۵۴)	جو (اللہ تعالیٰ) رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے پھر دن رات کے تعاقب میں دوڑا چلا جاتا ہے۔
وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيۡلُ ۚ نَسۡلَخُ مِنۡهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمۡ مُّظۡلِمُوۡنَ. (یٰس:۳۷)	ان کے لیے (بنی نوع انسان کے لیے) ایک اور نشانی رات ہے ہم اس کے اوپر سے دن ہٹا دیتے ہیں تو دن پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

تواتر لیل ونہار یعنی رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں اللہ کے علم و حکمت کی بڑی بصیرت افروز نشانیاں ہیں:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ. (آل عمران: ۱۹۰)

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات و دن کے ایک کے بعد ایک کے آنے جانے میں عقل رکھنے والوں کے لیے اللہ کی ہستی اور اس کی قدرت وحکمت کی بڑی نشانیاں ہیں۔

اگر زمین اور سورج ایک وضع پر ہمیشہ قائم رہتے اور ان میں سے کوئی متحرک نہ ہوتا تو روئے زمین پر نہ کوئی زندہ رہ سکتا نہ کوئی پودا اگ پاتا۔ ہم کرۂ ارض کے جس حصے میں رہتے ہیں۔ اگر یہاں ہمیشہ دن رہتا تو زمین آگ کا انگارہ بن جاتی اور دوسری طرف زمین کا جو حصہ ہے یعنی جہاں امریکہ، کینیڈا وغیرہ آباد ہیں وہاں ہمیشہ رات کی تاریکی رہتی۔ سورج کی کچھ بھی حرارت اس حصے میں نہ پہنچ پاتی۔ نتیجتاً نصف کرہ برف کے تودوں سے ڈھک جاتا۔ آپ خود سوچیے کہ کیا حال ہوتا۔ یہ اللہ کی بڑی مہربانی اور اس کا احسان ہے کہ یکے بعد دیگرے ہم دن اور رات دونوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَیُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ. (الزمر: ۵)

وہ ہی (اللہ تعالیٰ) رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے۔

تکویر کا معنی کسی گول چیز پر لپیٹنا ہے۔ اسی لیے عمامہ کے پیچ کو کور کہتے ہیں۔ ڈاکٹر بکائے لکھتے ہیں:

> رات دن کے مسلسل لپیٹنے کے عمل کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے کہ گویا زمین کی گولائی کا نظریہ پہلے سے مان لیا گیا ہے۔ حالاں کہ ایسی بات نہیں ہے۔ (بائبل قرآن اور سائنس)

زمین کی شکل کیا ہے، یہ مسئلہ نزولِ قرآن کے بعد صدیوں تک متنازع رہا۔ خاص کر اہلِ کلیسا کا اس بارے میں بہت انتہا پسندانہ طرزِ عمل رہا ہے۔ ان کا نظریہ تھا کہ زمین چٹائی یا طشتری کی طرح چپٹی ہے۔ اگر اس کے علاوہ کسی نے گیند یا نارنگی کی طرح چپٹی بتایا تو فوراً فتویٰ صادر ہو گیا کہ یہ نظریہ کتابِ مقدس کے خلاف ہے اس لیے گول بتانے والا کافر ہو گیا۔ موجودہ دور میں زمین کے گول ہونے پر تمام دنیا کا اتفاق ہے۔ مذکورہ آیت سے زمین کا گول ہونا واضح ہے۔ دنیا نے کافی دیر کے بعد قرآن کی صداقت تسلیم کر لی۔

مشرق و مغرب کا تعدد

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ. عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ. (المعارج ۷۰:۴۰-۴۱)

قسم ہے مشارق و مغارب کے رب کی ہم اس پر قادر ہیں کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگوں کے لے آئیں۔

سورۃ ۵۵ آیت ۱۷ میں یہ مضمون اس طرح ہے:

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ. (الرحمٰن: ۱۷)

وہ مشرقین اور مغربین کا مالک ہے۔

عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں ایک ہی مشرق اور ایک ہی مغرب ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ مشرق ایک ہے نہ مغرب۔ کوئی شخص بھی جو طلوع و غروب کا مشاہدہ کرتا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ سورج مشرق کے مختلف نقطوں سے نکلتا ہے اور مغرب کے مختلف نقطوں پر ڈوبتا ہے۔ جب موسمِ سرما کا آغاز ہوتا ہے تو سورج جنوب کی طرف ہٹتا جاتا ہے۔ وہ ہم سے جتنا دور ہوتا جاتا ہے سردی بڑھتی جاتی ہے اور پھر ایک حد تک (خطِ جدی) پہنچنے کے بعد شمال کی

طرف پلٹنا شروع کر دیتا ہے اور موسمِ گرما کا آغاز ہو جاتا ہے۔ سورج کے خطِ جدی تک پہنچنے میں تین مہینہ لگ جاتے ہیں پھر خطِ استویٰ تک واپس ہونے میں تین مہینے کی مدت لگتی ہے۔ پھر خطِ استویٰ سے شمال کی جانب خطِ سرطان تک پہنچنے میں تین مہینے کی مدت درکار ہوتی ہے پھر واپسی میں خطِ استویٰ تک آنے کے لیے تین مہینے لگتے ہیں اس طرح چھ مہینے میں اس آنے جانے کی مدت پوری ہوتی ہے۔ علمِ ھیت کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے۔ لیکن علماء فلکیات کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ شمال و جنوب کی طرف سورج کو پلٹانے والی قوت کون ہے؟ ظاہر ہے کہ سورج خود سے پلٹ نہیں سکتا۔ اس میں نہ شعور ہے نہ ارادہ، وہ خدائے ذوالجلال کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا، جس کے حکم سے شمس و قمر کی حرکت جاری ہے:

اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ. وَّالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ يَسۡجُدَانِ	چاند سورج مقررہ حساب کے پابند ہیں اور ستارے اور درخت سب اپنے رب کا سجدہ کرتے ہیں (یعنی اس کے حکم کی پابندی کرتے ہیں)۔

یہ بھی یاد رکھنے کی چیز ہے کہ سورج کے جنوب و شمال کی طرف حرکت کرنے ہی کے نتیجے میں موسموں میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جس کے نتیجے میں ہمیں مختلف فوا کہ میسر ہوتے ہیں۔ کبھی سیب انگور، کیلا، امرود کبھی لذیذ ترین پھل آم کھانے کو ملتے ہیں۔ اختلافِ موسم میں بھی ربوبیتِ الٰہیہ کی نمود صاف دیکھی جا سکتی ہے۔ موسم کے لحاظ سے زیرِ ترتیب وجود کی قدرت کس طرح نگرانی اور حفاظت کا انتظام کرتی ہے اس پر یک ذرا گہری نگاہ ڈال لیجیے، جب گرمیوں کا موسم ختم ہو رہا ہوتا ہے اور موسمِ سرما کا آغاز ہو رہا ہوتا ہے تو کسان گیہوں کی تخم ریزی کرتا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد نرم و نازک پودے زمین سے باہر آجاتے ہیں پھر کچھ دنوں کے بعد گیہوں کے خوشوں میں دانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن قدرت انھیں عریاں پیدا نہیں کرتی بلکہ پتیوں کے غلاف میں انھیں پوشیدہ رکھتی ہے تاکہ موسم کی سختی سے متاثر ہو کر یہ

اپنی نشو ونما سے محروم نہ ہو جائیں۔ پھر کئی مہینوں کے بعد جب مارچ اپریل کی گرمی پڑنے لگتی ہے تو اب دانوں کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ یہ اپنی طفولیت سے نکل کر عہدِ شباب میں پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے دانے پتیوں کی چادر ہٹا کر باہر آجاتے ہیں تاکہ سورج کی گرمی سے اچھی طرح پک جائیں۔ کیا ہر حالت کی نگرانی اور مختلف موسموں کے لحاظ سے حفاظت کا انتظام اندھی بہری فطرت کا کارنامہ ہوسکتا ہے؟ اور کیا عقل اسے قبول کرسکتی ہے؟ وجدان اس توجیہہ سے کبھی مطمئن نہیں ہوسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ ربوبیتِ الٰہیہ کی کارفرمائی ہے۔ اس کے سوا کوئی مادی توجیہہ ممکن نہیں ہے۔

حسنِ انتظام کے سلسلے میں ایک اور امر خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ غور کیجیے! زمین سے سورج کا فاصلہ تقریباً نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے اور زمین سے چاند دو لاکھ چالیس ہزار میل کے فاصلے پر ہے۔ اگر (معاذ اللہ) تخلیقی عمل کسی علیم وخبیر ذات کی کارفرمائی نہیں ہے بلکہ کائنات خود بخود وجود میں آگئی تو ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جس بلندی پر سورج ہے وہاں چاند ہوتا اور جہاں چاند ہے وہاں سورج ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا تو سورج زمین کو کھینچ کر آناً فاناً جلا کر خاکستر کر دیتا۔ زمین کاغذ کی طرح منٹوں میں جل جاتی۔ کیا اللہ کی خلاقی پر ایمان لانے کا ابھی وقت نہیں آیا۔

فبایّ حدیثٍ بعده یؤمنون۔ اگر ذرا اور زیادہ گہرائی سے جائزہ لیجیے تو آپ محسوس کریں گے کہ ہر وجود میں حسنِ انتظام کی جلوہ گری ہے۔ دیکھیے! بچہ شکمِ مادر میں ہے۔ وہاں اس کو دیکھنے، سننے، بولنے اور چھونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن آنکھیں ہیں، کان ہیں۔ قوتِ بصارت وسماعت پوشیدہ حالت میں موجود ہے۔ ڈارون کا یہ نظریہ ہے کہ قوتِ بصارت وسماعت، قوتِ لامسہ وذائقہ اور قوتِ شامہ یہ سارے قویٰ قانونِ ضرورت

کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں۔ میں کہتا ہوں جب بچہ شکمِ مادر میں ہے تو اس کو حواسِ خمسہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو پھر اسے قانونِ ضرورت کا نتیجہ قرار دینا بے معنی اور لغو ہے۔ اس توجیہہ سے انسانی ضمیر قطعاً مطمئن نہیں ہو سکتا۔ یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ اندھی بہری فطرت اور قانونِ ضرورت کے ماورٰی کوئی علیم وحکیم ذات ہے جسے معلوم ہے کہ جب بچہ شکمِ مادر سے باہر جائے گا تو اسے ان سب چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ اس کی ربوبیت مقتضی ہوئی کہ بچے کے لیے وہ ساری چیزیں مہیا ہوں جو اس کی نشوونما کے لیے ضروری ہیں۔

بچہ شکمِ مادر سے باہر آنے کے بعد کچھ دیر تک ہر قسم کے احساس وشعور سے عاری ہوتا ہے۔ قدیم فلاسفہ اسے عقل ھیولانی کا مرتبہ کہتے ہیں۔ قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (النحل:۷۸)	اور (دیکھو) یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ تم اپنی ماؤں کے شکم سے پیدا ہوتے ہو اور کسی طرح کی سوجھ بوجھ تم میں نہیں ہوتی لیکن اس نے تمھارے لیے دیکھنے سننے کے حواس پیدا کر دیے اور سوچنے سمجھنے کے لیے عقل دے دی تاکہ تم اس کی نعمت پر شکر گزار ہو۔

شکمِ مادر سے باہر آنے کے بعد بچے میں کون سا حاسہ پہلے بیدار رہتا ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت امامِ غزالی علیہ الرحمہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ بچے میں سب سے پہلے قوتِ لامسہ بیدار ہوتی ہے یعنی وہ قوت جس کے ذریعہ انسان سردی گرمی، سختی اور نرمی کا ادراک حاصل کرتا ہے۔ غور کرو! بچہ اس دنیا میں بھوکا آتا ہے۔ اگر قوتِ لامسہ بیدار نہ ہوتی تو اسے احساس نہیں ہوتا کہ ماں نے اس کی غذا کا سرچشمہ اس کے منہ میں لگا دیا ہے۔ یہ ربوبیت کی کارفرمائی ہے کہ سب سے پہلے قوتِ لامسہ بیدار ہوتی ہے تاکہ بچہ اپنی غذا حاصل کر

سکے۔ یہاں ایک سوال ہے جو فلاسفہ کے لیے ہمیشہ سب سے زیادہ مشکل و لاینحل مسئلہ بنا رہا، وہ ہے کہ اگر کائنات میں مادے کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے تو ماورائے مادہ جوہرِ احساس و ادراک کیوں کر ظہور میں آ گیا۔ اس لیے کہ قدیم و جدید تمام فلاسفہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مادہ ہر قسم کے ادراک و احساس سے خالی جوہر ہے۔ پھر ایک خالص مادی وجود میں قوتِ ادراکیہ کس طرح پیدا ہو گئی۔ حیوانات میں کیڑے مکوڑے تک احساس کی قوت سے بہرہ ور ہیں اور انسانی دماغ میں عقل کا چراغ روشن ہے۔ اس عقدۂ لاینحل کا حل منکرینِ خدا مادہ پرست فلاسفہ کبھی نہ پیش کر سکیں گے۔ اس کا تشفی بخش حل مذکورہ صدر آیتِ قرآنیہ میں موجود ہے:

وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـئًا ۙ وَّجَعَلَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـئِدَةَ ۙ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ‏. (النحل: ۷۸)

اور (دیکھو) یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ تم اپنی ماؤں کے شکم سے پیدا ہوتے ہو اور کسی طرح کی سوجھ بوجھ تم میں نہیں ہوتی لیکن اس نے تمھارے لیے دیکھنے سننے کے حواس پیدا کر دیے اور سوچنے سمجھنے کے لیے عقل دے دی تا کہ تم اس کی نعمت پر شکر گزار ہو۔

احساس و ادراک، عقل و شعور کی گراں بہا نعمتیں رب العلمین کی عطا کردہ ہیں۔ سوال کا یہی تشفی بخش جواب ہے۔ خدا کے وجود سے انکار کے بعد اس مسئلہ کا کہ ماورائے مادہ جوہرِ احساس و ادراک کیسے پیدا ہو گیا، کوئی حل ممکن نہیں ہے۔ لا الٰہ الا اللہ۔

جوہرِ ادراک و تعقل انسانیت کا خاصہ ہے، جس کی تعبیر اللہ نے روح پھونکنے سے کی ہے:

ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـئِدَةَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ‏. (السجدہ: ۹)

پھر اس کو ہر طرح سے درست کر دیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی اور تم کو کان دیے، آنکھیں دیں اور دل دیے۔ تم لوگ کم ہی شکر گزار ہو۔

یعنی اللہ نے آدم میں اپنی روح پھونک دی اور اسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے اندر عقل وحواس کا چراغ روشن ہو گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ احساس وادراک ،فکر وتعقل روح کے خصائص سے ہیں۔ مدرک روح ہوتی ہے مادہ نہیں۔

وہ روح ہے جو آنکھوں کے دریچوں سے دیکھ رہی ہے اور کانوں کے ذریعہ سن رہی ہے اور زبان سے بول رہی ہے۔ کائنات پر ذرا گہری نگاہ ڈالنے کے بعد ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ زندگی و معیشت کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے، انھیں قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ تمام مخلوقات کو عطا کر دی ہیں۔ لیکن یاد رہے تمام سر وسامان کے باوجود اگر خود وجود میں استفادہ کی صلاحیت نہ ہو تو سب بے سود ہے۔ مثلاً ہوا اسی طرح موجود ہو لیکن کسی کے سینے میں پھیپھڑا ہی نہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ سانس نہیں لے سکتا۔ یوں ہی اگر کوئی شخص معدے سے محروم ہو تو لذیذ ترین کھانا بھی اسکے لیے بیکار ہے۔ اچھا! غذا موجود ہو اور معدہ بھی ہو لیکن بھوک نہ ہو، کھانے کی طرف کوئی رغبت ہی نہ ہو تو انسان کھا نہیں سکتا۔ اور اگر نہ مٹنے والی رغبت ہو یعنی کتنا ہی کھانا کھا لے مگر کھانے کی خواہش کم نہ ہو تو کھاتے کھاتے مر جائے گا۔ اب ربوبیت کی کار فرمائی دیکھیے کہ جب شکم بھر جاتا ہے تو رغبت کی جگہ بے رغبتی اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر انسان کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔ غور کیجیے کہ اگر رغبت نہ ہو تو بغیر کھائے مر جائے اور نفرت نہ ہو تو کھاتے کھاتے مر جائے۔ رغبت بھی اللہ کی نعمت ہے اور اپنے وقت پر نفرت بھی نعمت ہے: و ان تعدوا نعمت الله لا تحصوا ها۔ اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو کر نہیں سکتے۔ ارض وسماوات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و ربوبیت کے مناظر آپ روز دیکھتے ہیں۔ کبھی خود اپنے وجود اور دوسری مخلوقات کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھ لیجیے۔ آپ غور کیجیے کہ ہر وجود کی جسمانی ساخت اور اس کے ظاہری و باطنی قویٰ ویسے ہی کیوں ہوتے ہیں

جیسا اس کا ماحول مقتضی ہوتا ہے۔ ہر وجود کی جسمانی ساخت اور اس کے ماحول کے درمیان ہمیشہ مطابقت کیوں پائی جاتی ہے۔ مچھلیاں پانی میں تیرنے کے لیے بنائی گئی ہیں اس لیے ان کی جسمانی ساخت ان جانوروں سے مختلف ہوتی ہے جو خشکی میں بود و باش رکھتے ہیں۔ پرندوں کو ہواؤں میں اڑنا ہے اس لیے ان کی جسمانی ساخت زمین پر چلنے والے حیوانات اور بلوں میں رینگنے والے کیڑے مکوڑوں سے یکسر مختلف ہوتی ہے۔

چڑیاں دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو ہواؤں میں پرواز کرتی ہیں اور درختوں کی شاخوں پر بیٹھ کر چہچہاتی ہیں یا آرام کرتی ہیں۔ چڑیوں کی ایک دوسری قسم کو تالابی چڑیا کہا جاتا ہے۔ یہ ہواؤں میں اڑتی تو ہیں لیکن ان کا اصل مسکن جھیل یا تالاب ہے۔ وہ اسی میں اپنا رزق حاصل کرتی ہیں، اس لیے شاخوں پر بیٹھنے والی چڑیوں سے ان کی ساخت قدرے مختلف ہوتی ہے۔ قدرت نے ان کی انگلیوں کے درمیان جھلی پیدا کر دی ہے تاکہ تیرنے میں ان کے پنجے چپو کا کام دیں اور یہ آسانی کے ساتھ اپنی مطلوبہ غذا حاصل کر سکیں۔ یہ بھی ربوبیت الٰہیہ کا اقتضا ہے۔

فرعون نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ جب تم میری ربوبیت سے انکار کر رہے ہو تو پھر تم دونوں کا رب کون ہے؟ فَمَن رَّبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ. پھر اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِىٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى. (طٰہٰ:۵۰)	کہا، ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی بناوٹ دی اور پھر اس پر زندگی و معیشت کی راہ کھول دی۔

یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مہربانی ہے کہ اس نے ہر مخلوق کی جسمانی ساخت وہی بنائی ہے جو اس کے مزاج و طبیعت کے مطابق ہے۔ دیکھیے! بکریوں کا طبعی اقتضا گھاس چرنا اور پتے چبانا

ہے۔اور شیروں کا طبعی و خلقی اقتضا شکار کرنا اور گوشت کھانا ہے، اس لیے قدرت نے ان کو تیز اور مضبوط دانت اور پنجے دیے۔اب شیروں کو بکریوں کو ساخت دے دی جائے تو کیا شیروں کے لیے ممکن ہوگا کہ وہ شکار کر سکیں؟ یوں ہی اگر بکریوں کو شیروں کی ساخت مل جائے تو ان کے لیے گھاس چرنا اور پتے چبانا آسان نہ ہوگا۔ربوبیت کا اقتضاء ہے کہ ہر مخلوق کو وہی ساخت ملے، جو اس کے مزاج کے مطابق ہو:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیٓ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی. (طٰہٰ:۵۰)

کہا، ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی بناوٹ دی اور پھر اس پر زندگی و معیشت کی راہ کھول دی۔

یہی وہ ہدایت ہے جسے دوسری جگہ راہِ عمل آسان کر دینے سے تعبیر کیا گیا ہے:

مِنۡ اَیِّ شَیۡءٍ خَلَقَهٗ. مِنۡ نُّطۡفَةٍ خَلَقَهٗ، فَقَدَّرَهٗ. ثُمَّ السَّبِیۡلَ یَسَّرَهٗ. (عبس:۱۸تا۲۰)

اس نے انسان کو کس چیز سے پیدا کیا؟ ایک نطفہ سے اس کو پیدا کیا، پھر اس کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا، پھر اس پر زندگی و عمل کی راہ آسان کر دی۔

کائنات میں ہر وجود کی تکمیل کے لیے چار مرتبے ہیں۔ان کے بغیر کوئی وجود مکمل نہیں ہو سکتا۔ چار مرتبے یہ ہیں--(۱) تخلیق--(۲) تسویہ--(۳) تقدیر--(۴) ہدایت:

اَلَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی. وَالَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی. (الاعلیٰ:۲تا۳)

وہ پروردگار جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اسے ٹھیک ٹھیک درست کر دیا۔اور جس نے ہر وجود کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا دیا۔

ربوبیت کا اقتضا جس طرح ہوا، کھانا، پانی وغیرہ کا انتظام ہے ویسے ہی ہدایت و رہنمائی بھی اقتضائے ربوبیت ہے۔قرآن کہتا ہے خدا کی ربوبیت کا مقتضاء یہی تھا کہ جس طرح ہر وجود کو

جامۂ ہستی عطا فرمایا اور اس کے ظاہری و باطنی قویٰ درست کر دیے، اسی طرح ہدایت و رہنمائی کا بھی انتظام ہو۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اپنے عقیدۂ توحید کا اعلان کرتے ہوئے اپنے باپ اور قوم سے کہتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ. اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ. (الزخرف:۲۶ تا ۲۷)

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے کہا تھا تم جن دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہو مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ میرا رشتہ صرف اس ذات سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری رہنمائی کرے گا۔

یعنی جس خالق نے مجھے پیدا کیا ہے ضروری ہے کہ اس نے میری ہدایت کا انتظام کر دیا ہو۔ سورہ شعرآء میں یہی بات زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے:

اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ. وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ. وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ. وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ. (الشعرآء:۷۸ تا ۸۱)

جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری رہنمائی فرماتا ہے، وہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو مجھے شفا عطا فرماتا ہے اور وہی مجھے موت دے گا اور پھر زندہ کر دے گا۔

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ. (الصّٰفّٰت:۹۹)

اور حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کہا میں ہجرت کر کے اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔

لفظِ ربی پر غور کرو، جب وہ میرا رب ہے تو ضروری ہے کہ وہ مجھے راستہ دکھائے۔ یہی حقیقت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے عیاں ہے۔ دیکھیے! اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر رات میں نکلے۔ فرعون اپنے لشکر کے ساتھ سورج نکلتے ہی تعاقب میں چل پڑا۔ آگے کیا ہوا، قرآن بتا رہا ہے:

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ	پس جب دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ
اَصْحٰبُ مُوْسٰی اِنَّا	لیا تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا ہم تو یقیناً
لَمُدْرَكُوْنَ. قَالَ كَلَّا اِنَّ	پکڑ لیے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ.	نے کہا (ہرگز نہیں) میرا رب میرے ساتھ
(الشعرآء: ۶۱ تا ۶۲)	ہے۔ وہ ضرور مجھے راہ دکھائے گا۔

یعنی جب اصحابِ موسیٰ نے دیکھا کہ پیچھے فرعونی لشکر ہے اور آگے دریا۔ اب بچاؤ کی کوئی صورت ممکن نہیں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیغمبرانہ ایمان وایقان کے ساتھ فرمایا؛ ہرگز نہیں میرا رب میرے ساتھ ہے۔ وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔ چنانچہ اللہ نے رہنمائی فرمائی۔ ارشاد ہے:

فَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی اَنِ	ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا
اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ	دریا پر مارو، بس اسی وقت دریا پھٹ گیا
فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ	اور پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کے مانند ہو
كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ. (الشعرآء: ۶۳)	گیا۔

ان تمام آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ہدایت ورہنمائی ربوبیت کا اقتضاء ہے۔

ہدایت اور اس کے مرتبے

ہدایت کے چار مرتبے ہیں ۔ پہلا مرتبہ وجدان کی ہدایت کا ہے ۔دوسرا ہدایتِ حواس ہے ۔تیسرا ہدایتِ عقل ۔ چوتھا اور آخری مرتبہ وحی وتنزیل کی ہدایت اور نبوت و رسالت کی رہنمائی ہے ۔پہلے دو مرتبوں میں انسان اور تمام حیوانات مشترک ہیں ۔ہدایتِ وجدان کیا ہے؟ یہ فطرت کا ایک اندرونی الہام ہے ۔دیکھیے ! بچہ ابھی شکمِ مادر سے باہر آیا ہے اسے کسی قسم کا ابھی کوئی تجربہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کو باہر سے کوئی رہنمائی حاصل ہے ۔لیکن ماں بچے کے منہ میں پستان رکھ دیتی ہے اور بچہ زور زور سے چوسنا شروع کر دیتا ہے ۔ بچہ کو کس نے بتایا کہ وہ زور زور سے چوسے؟ یہ وجدان کی ہدایت ہے ۔قدرت کا خفیہ الہام ہے اسی ہدایت کی جانب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اشارہ کیا تھا:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیٓ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔ (طٰہٰ:۵۰)

کہا، ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی بناوٹ دی اور پھر اس پر زندگی و معیشت کی راہ کھول دی۔

وجدان کی یہی ہدایت انسان اور دیگر حیوانات پر معیشت و زندگی کی راہ کھولتی ہے ۔لیکن یاد رہے فطرتِ حیوانی کا یہ اندرونی الہام طلب کا ولولہ ضرور پیدا کر دیتا ہے مگر اسے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ مطلوبہ غذا کہاں ہے ۔اس لیے ضروری ہوا کہ وجدان کی ہدایت سے بلند حواس کا مرتبۂ ہدایت وجود میں آئے تاکہ انسان اور حیوان اپنی غذا معلوم کر سکیں ۔ اس لیے رب العٰلمین نے تمام حیوانات میں بشمول انسان دیکھنے ، سننے ،سونگھنے ، چھونے اور چکھنے کی قوتیں پیدا کر دی ہیں ۔اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ حواسِ خمسہ تمام جانداروں میں یکساں نہیں ہوتے ۔ ہر جاندار کو اس کی ضرورت کے مطابق قوت دی گئی ہے۔

دیکھیے ! عقاب کو فضا کی بلندیوں میں اپنا شکار دیکھنا تھا اس لیے ضروری ہوا کہ اس کی قوتِ باصرہ دوسرے جانوروں کی بنسبت زیادہ ہو۔ چیونٹیاں بلوں میں رہتی ہیں، کوڑے کرکٹ میں رینگتی ہیں اس لیے انھیں تیز بینائی کی ضرورت نہیں تھی، لہٰذا قدرت نے ان کی قوتِ شامہ یعنی سونگھنے کی قوت بہت تیز کر دی ہے، جس کے ذریعہ وہ اپنی غذا آسانی کے ساتھ حاصل کر لیتی ہیں۔

سُبحانَہٗ وتعالیٰ

بعثتِ انبیاء

یہ نقطہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ایک مرتبۂ ہدایت جب عاجز و درماندہ ہو جاتا ہے تو اس سے بلند مرتبۂ ہدایت اس کو سہارا دیتا ہے۔ دیکھیے وجدان کی ہدایت جب اپنی غذا کے ادراک سے عاجز ہوئی تو حواس کی ہدایت نمودار ہوئی اور قدرت نے ہم میں حواسِ خمسہ کے چراغ روشن کر دیے۔ اب ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں، کانوں سے سنتے ہیں، زبان سے چکھتے ہیں، ناک سے سونگھتے ہیں، اور ہاتھوں سے چھوتے ہیں اور سردی گرمی کا احساس کرتے ہیں۔ انھیں حواسِ خمسہ کے ذریعہ ہم اپنے وجود سے باہر اشیاء کا ادراک کرتے ہیں اور اپنی غذا معلوم کر لیتے ہیں۔

یاد رکھیے! ہدایتِ وجدان کی طرح ہدایتِ حواس کی بھی ایک حد ہے۔ اس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکتی۔ حواس کے ذریعہ ہم کو جزئیات کا ادراک ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس کے اوپر کوئی اور مرتبۂ ہدایت نہ ہوتا تو انسان حیوانات و بہائم کی سطح سے اوپر نہیں اٹھ سکتا تھا۔ قدرت نے انسان کے لیے حواس سے بلند ایک اور مرتبۂ ہدایت رکھا ہے۔ وہ ہدایتِ عقل ہے۔ عقل جزئیات کو ترتیب دے کر کلی احکام کا استخراج کرتی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ انسان روز بروز ترقی کی منزلیں طے کرتا جا رہا ہے۔ لیکن جس طرح وجدان کی ہدایت ایک حد سے آگے نہیں جا سکتی، اس لیے ضروری ہوا کہ اس سے بلند حواس کی ہدایت وجود میں آئے اور اسی طرح حواس کی ہدایت بھی ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی تو قدرت نے عقل کی

ہدایت انسان کو مرحمت فرمائی ۔ اور عقل کی بھی رسائی ایک خاص حد سے آگے نہیں ہو سکتی ۔ عقل اپنی تمام تر ترقیوں کے باوجود محسوسات کے دائرے سے باہر نہیں جا سکتی ۔ عقل کا سارا ادراک محسوسات کے ذریعہ ہی ہوتا ہے ۔

عقل براہِ راست کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتی ۔ حواس جو کچھ معلومات بہم پہنچاتے ہیں انھیں کو ترتیب دے کر کلی حکم کا استنباط کرتی ہے ۔ لہذا جس کے ادراک سے حواس عاجز و درماندہ ہیں ، اس کے ادراک سے عقل بھی عاجز و درماندہ ہے ۔ عقل کو جو کچھ علم حاصل ہوتا ہے وہ حواس ہی کے توسط سے ہوتا ہے ۔ آنکھیں دیکھتی ہیں تو عقل کو پتہ چلتا ہے کہ یہ چیز سیاہ ہے یا سفید ۔ زبان چکھتی ہے تو عقل کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز میٹھی ہے یا کھٹی ۔ ہاتھ سے چھوتے ہیں تو عقل سمجھتی ہے کہ یہ گرم ہے یا سرد ۔ ناک سونگھتی ہے تو عقل کو خوشبو اور بدبو کا ادراک ہوتا ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ عقل کا دائرۂ کار بھی عالمِ محسوسات تک محدود ہے ۔ محسوسات کے پسِ پردہ کیا ہے اس کے ادراک سے عقل بھی اسی طرح عاجز و درماندہ ہے جیسے حواس ۔ جس طرح حواس کی درماندگی کے بعد عقل کی ضرورت تھی ، اسی طرح عقل کی درماندگی کے بعد عقل ہی کا تقاضا ہے کہ ایک اور بلند مرتبۂ ہدایت ہونا چاہیے جو ہمیں بتائے کہ ماورائے محسوسات کیا ہے؟ انسانی فطرت جاننا چاہتی ہے کہ ہمارا آغاز کیا ہے ، ہمارا انجام کیا ہے ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی کے لیے انبیاء و مرسلین کو مبعوث فرمایا ۔ اس کے علاوہ عقل جن حواس کے ذریعہ معلومات حاصل کرتی ہے وہ سارے حواس بڑی فاش غلطیاں کرتے ہیں ۔ مثلاً بارش کے زمانے میں آنکھ دیکھتی ہے کہ بادل سے زمین تک پانی کی ایک دھار ہے ۔ حالاں کہ حقیقت میں وہ ایک بوند ہوتی ہے ۔ یا مثلاً کسی سائے کو آنکھ دیکھتی ہے کہ وہ ٹھہرا ہوا ہے حالاں کہ وہ ٹھہرا نہیں ہوتا ۔ وہ بیحد سست روی کی وجہ سے ساکن محسوس ہوتا

ہے۔ یوں ہی اگر منہ کا ذائقہ بگڑا ہوا ہے تو میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور دفعتاً باجے کی آواز کانوں میں آتی ہے۔ آپ ادھر ادھر دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ باجے کی آواز نہیں بلکہ دماغ کی خشکی کے نتیجے میں کانوں میں گونج پیدا ہو گئی تھی۔ جسے آپ نے سمجھا کہ یہ باجے کی آواز ہے۔ اگر عقل نہ ہوتی تو حقیقتِ حال کا ہم کو کبھی سراغ نہ ملتا۔

غور کیجیے! حواس نے جب غلطیاں کیں تو عقل نے اس کی تصحیح کی۔ سوال یہ ہے کہ اگر عقل غلطیاں کرے تو کیا ایک اور مرتبۂ ہدایت نہیں ہونا چاہیے؟ جو عقل کی غلطیوں کو واضح کرے اور ہم کو حقیقت تک رسائی کی راہ بتائے۔ قرآن کہتا ہے، یہ ضروری تھا۔ اور وہ مرتبۂ ہدایت وحی و تنزیل، نبوت و رسالت کی ہدایت ہے، جس میں کسی غلطی کا امکان نہیں ہے۔ ارشادِ باریِ تعالیٰ ہے:

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى . وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَ الْاُوْلٰى . (الیل:۱۲ تا ۱۳)	بلاشبہ ہمارا کام ہے کہ ہم رہنمائی کریں اور یقیناً آخرت و دنیا ہمارے لیے ہے۔
وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى . (حٰم السجدہ:۱۷)	باقی رہی قومِ ثمود کی بات تو اسے بھی ہم نے راہِ حق دکھا دی تھی، لیکن اس نے ہدایت کی راہ چھوڑ کر اندھے پن کا شیوہ اختیار کیا۔
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ . (العنکبوت:۶۹)	اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جاں فشانی کی تو ضروری ہے کہ ہم بھی ان پر اپنی راہیں کھول دیں اور بلاشبہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو نیک عمل ہیں۔

ان آیات میں وحی وتنزیل کی ہدایت کا تذکرہ ہے۔ وحی وتنزیل کی ہدایت کا آغاز اول انسان آدم علیہ السلام سے ہی ہو گیا تھا اور یہ سلسلۂ ہدایت ہر دور اور ہر قرن میں جاری رہا۔ کوئی قوم ایسی نہیں گزری جہاں وحی الٰہی کی ہدایت نہ پہنچی ہو۔ جہاں جہاں انسان آباد ہیں وہاں وہاں ہوا پانی اور کھانا موجود ہے کیوں کہ ربوبیت اس کی مقتضی ہے۔ ویسے ہی انسان کی کوئی آبادی ایسی نہیں ہوئی کہ جہاں نبوت ورسالت کی ہدایت نہ پہنچی ہو: وان من امة الا خلا فيها نذير. کوئی امت ایسی نہیں گزری کہ جس میں انسان کو اس کی بداعمالیوں پر ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔ جس طرح ہوا، پانی وغیرہ ضروریاتِ زندگی کی فراہمی مقتضائے ربوبیت ہے، اسی طرح ہدایت ورہنمائی بھی ربوبیتِ الٰہیہ کا اقتضاء ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں بعثتِ انبیاء کا سلسلہ رکھا اور یہ دنیا کبھی بھی وحی وتنزیل کی ہدایت سے خالی نہ ہوگی:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ. (البقرة:۲۱۳)	ابتدا میں تمام انسان ایک ہی گروہ تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا۔ پس اللہ نے یکے بعد دیگرے نبیوں کو مبعوث کیا۔ وہ نیک عمل کے نتائج کی بشارت دیتے اور بد عملی کے نتائج سے متنبہ کرتے۔ نیز ان کے ساتھ کتاب نازل کی تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرنے لگے تھے ان میں وہ فیصلہ کرنے والی ہو۔

اور اس مسئلہ کے بارے میں کہ عقل سے بلند ایک اور مرتبۂ ہدایت ہونا چاہیے، عقل کی رہنمائی ایک حد سے آگے کام نہیں دے سکتی۔ حضرت علامہ رشید رضا علیہ الرحمہ اپنی مشہور

کتاب ''الوحی المحمدی'' میں لکھتے ہیں:

''انسان انبیاء کی ہدایت کا اس لیے محتاج ہے کہ وہ اپنی عقل وحواس کے ذریعہ عالمِ غیب کا ادراک نہیں کرسکتا اور انھیں امورِ غیبیہ میں سے اجنہ و شیاطین کا وجود ہے۔ جس کی تمام انبیاء کرام نے خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ انسان کے اندر جو فاسد خیالات پیدا ہوتے ہیں اور انسان کو نیکی کے راستے سے ہٹا کر بدی کی راہ پر ڈال دیتے ہیں وہ شیطانی وسوسوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان سے بچنے کی تدبیر انبیاء کرام نے بتائی ہے۔ وساوسِ شیطانی سے بچنے کا موثر ذریعہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے۔ یہ تہذیبِ نفس کے لیے ضروری ہے۔ اس سے حق و باطل اور خیر وشر کے درمیان تمیز حاصل ہوتی ہے۔ اجنہ وشیاطین کے وجود سے بلا دلیل انکار کر دینا جذبۂ تحقیق کے منافی ہے۔''

علامہ موصوف نے ایک بہت اچھی مثال سے اس کی وضاحت کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''جسمانی صحت کے لیے تباہ کن جراثیم کا علم انسان کو موجودہ دور میں حاصل ہوا ہے۔ ہزاروں برس تک انسان ان کے وجود سے بے خبر رہا۔ یہ وائرس جس طرح انسانی صحت پر اثر انداز ہوتے ہیں اسی طرح شیطانی وسواس انسانی ارواح کو مریض وسقیم کر دیتے ہیں۔ جس طرح انسان مادی جراثیم سے اپنے جسم اور کھانے پینے کی اشیاء کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اگر وہ روحانی جراثیم سے اپنے کو بچائے تو یقیناً یہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ کیوں کہ اس کا فائدہ دنیا کی چند روزہ زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ آخرت کی حیاتِ ابدی تک جاری رہنے والا ہے۔ روحانی جراثیم کو تم اپنے مادی آلات کے ذریعہ نہیں دیکھ سکتے۔ یہ امورِ غیبیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا علم انسان کو صرف انبیاء کرام کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔''

انسانی عقل چاہے جتنی ترقی کر جائے لیکن وہ وحی و رسالت سے انسان کو مستغنی و بے نیاز نہیں کر سکتی۔ نبوت و رسالت کی ہدایت صرف آخرت ہی کے لیے ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے بغیر دنیوی زندگی بھی تہذیب و اخلاق سے آراستہ نہیں ہو سکتی۔ علامہ لکھتے ہیں کہ عقل و رائے کے لحاظ سے انسانوں میں سب سے بلند مغرب کے اہلِ سیاست ہیں لیکن ان کی سیاست کی غایت اس کے سوا کچھ نہیں کہ دوسرے طبقات کی دولت و ثروت پر قابض ہو جائیں۔ اس کے لیے وہ کسی ظلم و استبداد سے گریز نہیں کرتے۔ علامہ سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ شیطانی سیاست نہیں ہے؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مصداق نہیں ہے؟

تَـا للّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى اُمَمٍ	واللہ ہم نے آپ سے پہلے کی امتوں کی طرف
مِّـنْ قَبْـلِكَ فَـزَيَّـنَ لَهُمُ	رسول بھیجے لیکن شیطان نے ان کے اعمالِ بد
الشَّيْطٰنُ اَعْـمَـا لَهُمْ فَهُوَ	ان کی نگاہوں میں آراستہ کر دیے۔ وہ شیطان
وَلِيُّهُمُ الْيَـوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ	آج بھی ان کا رفیق ہے اور ان کے لیے درد
اَلِيْمٌ. وَمَـا اَنْـزَلْنَـا عَلَيْكَ	ناک عذاب ہے۔ اور ہم نے آپ پر کتاب
الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى	نازل نہیں کی لیکن اسی لیے تاکہ آپ ان کے
اخْتَـلَـفُوْا فِيْـهِ وَهُـدًى	لیے ہر اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ
وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ.	اختلاف کر رہے ہیں اور یہ ایمان داروں کے
(النحل: ۶۳ تا ۶۴)	لیے رہنمائی اور رحمت ہے۔

آج انسانی عقل اپنے نقطۂ عروج پر ہے۔ انسان زمین کی کشش سے نکل کر چاند پر قدم رکھ

چکا ہے ۔ مریخ و مشتری کی طرف مائل پرواز ہے ، پوری دنیا ایک گھر کے مانند ہوگئی ہے ۔ مہینوں کا سفر آپ گھنٹوں میں کر سکتے ہیں ۔ گھر بیٹھے دور دراز ملکوں کی خبریں سن رہے ہیں ۔ دنیا کے کسی بھی حصے میں کیا ہو رہا ہے ، آپ ٹی وی کے ذریعہ سارے مناظر دیکھ سکتے ہیں ۔ لیکن ان تمام مادی ترقیوں کے باوجود انسان تہذیب واخلاق کی تمام اعلیٰ قدروں سے تہی دست ہوتا جا رہا ہے ۔ ظلم و جور ، سلب و نہب ، لوٹ گھسوٹ اور دوسرے جرائم کے ارتکاب میں اسے کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی ۔ ازدواج کی پابندی سے آزاد ہوتا جا رہا ہے ۔ تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اگر کوئی ترقی یافتہ ملک اباحتِ مطلقہ کی تجویز پاس کر دے ۔ یعنی جانوروں کی طرح عقد و نکاح کی کوئی ضرورت ہی باقی نہ رہ جائے ۔ ہم جنسی کے جواز کا قانون تو بعض ترقی یافتہ ممالک پاس کر ہی چکے ہیں ۔ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ ایمان باللہ و عقیدۂ آخرت کے بغیر کبھی انسان مہذب و شائستہ نہیں ہو سکتا ۔ تہذیبِ نفس کے لیے تنہا مادی علوم کافی نہیں ہیں ۔ اس کے لیے واحد راستہ انبیاء کرام کی اطاعت و پیروی ہے ۔ عالمِ غیب کے بارے میں ان کی خبروں پر کامل ایمان بنیادی شرط ہے ۔ اس میں شک نہیں ہے کہ کچھ فلاسفہ و حکماء ماضی میں نیز عہدِ حاضر میں بھی ایسے گزرے ہیں جنھوں نے دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ ایک واجب الوجود ہستی موجود ہے اور اسی نے کائنات کی تخلیق کی ہے ۔ انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک دوسرا عالم وجود میں آئے گا وہاں ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ۔ لیکن یہ نہ بھولیے کہ حکماء کی حکمت اور انبیاء کی ہدایت میں زمین و

آسمان کا فرق ہے۔ انبیاء اور حکماء کے علوم کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے۔ دونوں کے علوم کا منبع و سرچشمہ الگ الگ ہے۔ فلاسفہ اور حکماء کے علوم کا منبع ان کا دماغ ہوتا ہے۔ ان کی حکمت قیاس و رائے پر مبنی ہوتی ہے اور قیاس و رائے کی بنیاد پر عالمِ غیب کا ایک مجمل اور مجہول تصور ہی ہوسکتا ہے۔ عالمِ غیب میں کیا کچھ ہو رہا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے، ان تفصیلات کا علم عقل و رائے سے ممکن نہیں ہے۔ اس کے برعکس انبیاء کی ہدایت اور ان کے علوم کا سرچشمہ وحیِ الٰہی ہوتی ہے، وہ سب کچھ اللہ کے حکم سے کہتا ہے۔ ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ ایک فلسفی کا مخاطب انسانی دماغ ہوتا ہے وہ چند در چند مقدمات کی ترتیب دے کر اپنا مدعیٰ ثابت کرتا ہے یہ فکر و نظر صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی اور نبی فلسفیوں کے انداز میں مقدمات کی ترتیب سے حجت قائم نہیں کرتا۔ اس کا تمام تر خطاب انسانی فطرت اور اس کے ضمیر سے ہوتا ہے۔ وہ اپنا پیغام اس طرح پیش کرتا ہے جیسے کسی پیاسے کے آگے پانی کا گلاس رکھ دیا جائے۔ یہاں اس کی ضرورت نہیں ہوتی کہ پیاسے کو دلیل سے بتایا جائے کہ تم کو پانی پینا چاہیے۔ پس نبی کا اندازِ تبلیغ ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ انسانی فطرت کو آواز دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ تمھاری فطرت جس چیز کی طالب ہے وہ یہی ہے۔ یہ نبی اور فلسفی کے درمیان بڑا زبردست فرق ہے اس لیے نبی کے پیغام میں جو تاثیر ہوتی ہے حکیم و فلسفی اس سے قطعاً محروم ہوتا ہے۔ علامہ رسید رضا علیہ الرحمہ نے شیخ الرئیس بوعلی بن سینا کا ایک مشہور واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''بو علی سینا کا ایک فرماں بردار خادم شیخ کی محبت میں اس درجہ غلو کر گیا تھا
کہ معاذ اللہ شیخ کو خاتم الانبیاء ﷺ سے علم وحکمت میں برتر سمجھنے لگا تھا۔
اسے تعجب تھا کہ شیخ اس درجہ علم وفضل کے باوجود نبی امی کی پیروی کیوں
کرتے ہیں۔ کئی مرتبہ وہ اپنے فاسد خیالات کا اظہار شیخ پر کر چکا تھا۔ کبھی
شیخ نے اسے ڈانٹ دیا کبھی اس سے اعراض کیا۔ ایک مرتبہ شیخ اپنے خادم
کے ساتھ ایران کے شہر اصفہان میں موجود تھے۔ رات کا وقت تھا۔ سخت
سردی اور برف پڑ رہی تھی۔ شیخ نے اپنے شاگرد خادم کو رات کے پچھلے حصے
میں بیدار کیا اور پانی طلب کیا تاکہ فجر کی نماز کے لیے وضو کر لیں۔ خادم
نے سخت سردی کا عذر کیا اور کہا شیخ ابھی رات باقی ہے۔ پھر شیخ نے صبح کے
وقت اسے دوبارہ بیدار کیا اور پانی طلب کیا۔ اس نے پھر عذر کیا اور کہا ذرا
ٹھہریے۔ یہاں تک کہ مؤذن پکار اٹھا اشھد ان محمداً رسول اللہ
شیخ نے اپنے خادم سے کہا سنو یہ مؤذن کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے جواب دیا
اشھد ان محمداً رسول اللہ ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے
رسول ہیں ﷺ۔ شیخ نے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ میں تمھاری قدیم
ضلالت وگمراہی تم پر واضح کر دوں۔ تم میرے خادم ہو۔ میری خدمت کے
سوا تمھارا کوئی کام نہیں ہے۔ تم تمام لوگوں سے زیادہ میرے علم کے معترف
ہو اور سب سے زیادہ تم میری تعظیم کرتے ہو۔ یہاں تک کہ تم مجھے رسول
اللہ ﷺ پر معاذ اللہ فوقیت دیتے ہو اور پسند نہیں کرتے کہ میں ان کی
پیروی کروں۔ اس کے باوجود تم ایک معمولی سی خدمت کے سلسلے میں
میرے حکم کی مخالفت کرتے ہو۔ تم گھر کے اندر سخت سردی کا عذر کرتے ہو
اس فارسی مؤذن کو دیکھو۔ یہ فجر سے پہلے گھر سے نکلتا ہے اور جب صبح
صادق طلوع ہو جاتی ہے تو منارۂ مسجد پر چڑھ کر پکارتا ہے اشھد ان
محمداً رسول اللہ ۔ حالانکہ آپ کے وصال کو چار سو برس سے زیادہ
زمانہ گزر چکا ہے ۔ شیخ نے اپنے شاگرد سے کہا:

فتامل وتدبر فی نفسک یظھر لک فرق بین سلطان النبوۃ علی الناس و سلطان العلم و الحکمۃ. تم اپنے نفس اور وجدان میں غور کرو۔ تم پر اقتدارِ نبوت اور اقتدار علم وحکمت کے درمیان فرق واضح ہو جائے گا۔"

شیخ کی اپنے شاگرد کو تنبیہ وہدایت کا ماحصل یہ ہے کہ کسی کی فہم کتنی ہی دوررس کیوں نہ ہو۔ کوئی کتنا ہی عظیم فلسفی وحکیم کیوں نہ ہو، نبی کی ہدایت سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

وحی ونبوت انسان کی ضرورت ہے۔ انسانی ضرورت کی تکمیل کے لیے اللہ نے بعثتِ انبیاء کا سلسلہ ہر دور میں جاری رکھا۔

خاتم الانبیاء

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا	ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوش
كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا	خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا
وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا	ہے۔ حالت یہ ہے کہ اکثر لوگ اسے نہیں
يَعۡلَمُوۡنَ. (سبا:۲۸)	جانتے۔

یادرکھیے جس طرح ہماری مادی دنیا میں یکے بعد دیگرے رات دن کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اسی طرح قلب وروح کے عالم میں بھی کبھی کفر وشرک کا اندھیرا چھا جاتا ہے اور کبھی نورِ ایمان سے دل کی دنیا جگمگا اٹھتی ہے۔ یہ سنتِ الٰہیہ رہی ہے کہ جب بھی کفر وشرک کا اندھیرا چھایا ہے وحیِ الٰہی نمودار ہوئی اور اقلیمِ قلب وروح منور ہوگئی۔

جب مادی اور محسوس دنیا میں رات آتی ہے تو راستے کے کنکر پتھر دکھائی نہیں دیتے۔ بصارت جواب دے جاتی ہے۔ آدمی ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے اور جب قلب وروح کی دنیا میں رات آتی ہے تو بصارت

میں کمی واقع نہیں ہوتی انسان بصیرت سے محروم ہو جاتا ہے۔ نیکی بدی کے درمیان امتیاز مٹ جاتا ہے۔ انسانی تاریخ میں نہ جانے کتنے راتیں اور کتنے دن گزرے یہ بتانا ممکن نہیں ہے۔ لیکن کفر و شرک، ضلالت و گمراہی کی سب سے طویل و دراز رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد دنیا پر مسلط ہوئی۔ رفع مسیح کے بعد چھٹی صدی تک دنیا کے کسی حصے میں کوئی نبی، کوئی پیغمبر مبعوث نہیں کیا گیا۔ پوری دنیا ظلم و جور، فحش و بدکاری سے بھر گئی تھی۔ عورت کی عزت و آبرو سرِ عام لٹتی رہی۔ لیکن ان کے حالِ زار پر کوئی آنکھ اشک بار ہوئی نہ کسی کے اندر غیرت و حمیت کا جذبہ بیدار ہوا۔ عورتیں باعثِ ننگ و عار سمجھی جاتی تھیں۔ انسانیت جذبۂ ترحم سے یکسر خالی ہو چکی تھی۔ حد یہ ہے کہ ماں کی مامتا ہی مر چکی تھی۔ وہ خود اپنی بچی کا گلا گھونٹ دیتی تھی اور باپ اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر رہا تھا لیکن ظالموں کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں تھا۔ انسانی فطرت زبانِ حال سے فریاد کناں تھی۔ پروردگار کوئی ہادی و رہبر اپنی طرف سے بھیج دے جو بھٹکے ہوئے انسانوں کو سیدھی راہ پر لگا دے۔ جو ہلاکت بکنار انسانیت کو نجات کا راستہ دکھادے۔ رب العٰلمین نے فطرت کی خاموش فریاد سنی اور اپنی سنتِ جاریہ کے مطابق اپنے سب سے برگزیدہ رسول کو مبعوث فرمایا اور ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ	اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے وہ
الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ	رسول حق لے کر آ گیا، تم اس پر ایمان لاؤ
فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ	یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر انکار
تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي	کرو گے تو یاد رکھو اللہ ہی کے لیے وہ سب
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ	کچھ ہے جو زمین اور آسمانوں میں ہے،
اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (النساء: ۱۷۰)	اللہ علم و حکمت والا ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں دنیا کے تمام انسانوں سے خطاب ہے۔ اے لوگو تمہارے پاس حق لے کر وہ رسول آ گیا۔ رسول کے لفظ پر حرفِ تعریف ہے اس لیے اس کا ترجمہ یہ نہیں

ہوگا کہ رسول آ گیا بلکہ عربی قاعدے کی رو سے ترجمہ ہوگا وہ رسول آ گیا۔ یعنی وہ آ گیا جس کا ساری دنیا کو انتظار تھا۔ وہی رسول جس کا جلال حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ سعیر پر دیکھا تھا۔ وہی آخری نجات دہندہ رسول آ گیا۔ جو دعائے خلیل ہے نویدِ مسیح ہے۔ وہی ع: جس کے منادی موسیٰ عمراں جس کے مبشر عیسیٰ مریم ﷺ حضرت العلام رشید رضا، الوحی المحمدی کے حاشیے پر لکھتے ہیں:

"یہودی تین انبیاء مصلحین کے منتظر تھے۔ حضرت مسیح، ایلیا (الیاس) اور وہ نبی مطلق جس کی بشارت حضرت موسیٰ اور بعد میں آنے والے تمام انبیاء نے دی تھی۔"

موصوف لکھتے ہیں:

ومن ادلة ذلك ماجاء فی الفصل الاول من انجیل یوحنا و ملخصه لماظهر یوحنا المعدان (و هو یحیی بن زکریا علیهما السلام) یعمد الناس فی نهر اردن أرسلوا الیه وفد الیعرفوا أي الثلاثة هو؟ فسألوا أنت المسیح ؟قال لا. قالوا أأنت ایلیه؟ قال لا۔ قالوا أأنت النبی؟ قال لا فذکروا النبی معرفاً ولو قالوا له أأنت نبي؟ بالتنکیر لما قال لا. (حاشیه الوحی المحمدی:ص:۳٤)

جب یہودیوں کو معلوم ہوا کہ یحیٰی علیہ السلام نہر اردن میں کلوگوں کو بپتسمہ دے رہے ہیں (یہ بنی اسرائیل کی ایک رسم تھی) تو ان کے پاس ایک وفد بھیجا تا کہ انھیں معلوم ہو کہ ان تین انبیاء مصلحین میں سے جن کا انتظار ہے یہ کون ہیں؟ وفد نے پوچھا کیا آپ مسیح ہیں؟ کہا: نہیں! پھر پوچھا: کیا آپ ایلیا ہیں؟ کہا نہیں! اسکیعد پھر پوچھا: کیا آپ وہ نبی ہیں۔ کہا نہیں!

اگر وہ پوچھتے کہ کیا آپ نبی ہیں تو ہرگز انکار نہیں کرتے کیوں کی یحیٰی علیہ السلام نبی تو تھے ہی۔ ان کے انکار کا مقصد یہ ہے کہ میں وہ نبی نہیں ہوں جس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔قومِ یہود کو بعثتِ رسول تک نبیِ موعود کا انتظار تھا۔ وہ مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ دنیا کے آخری نجات دہندہ رسول کی بعثت قریب ہے۔ آنے دو پھر ہم تمھیں بتائیں گے۔ وہ اہلِ مدینہ کو بتایا کرتے تھے کہ وہ اسی راستے سے آئیں گے۔ لیکن یہود کی بدبختی دیکھیے کہ جب وہ نبیِ منتظر آ گیا اور مدینہ کی لڑکیوں نے انبیاء بنی اسرائیل کی پیشن گوئی کے مطابق خوشی کا گیت گایا۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا مادعا لِلّٰہِ داع

ترجمہ:- دیکھو پہاڑ کی گھاٹیوں سے رشد و ہدایت کا بدر کامل طلوع ہو گیا اور جب تک خدا کو پکارنے والا کوئی موجود ہوگا۔ ہم پر اللہ کا شکر واجب ہو گیا۔

لیکن یہودیوں کو جب معلوم ہوا کہ آنے والا بنو اسمٰعیل سے ہے تو کہنے لگے کہ وہ نبیِ موعود نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر انکے خیال میں وہ نبی منتظر نہیں آیا تو ان کا انتظار ختم کیوں ہو گیا؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ وہی نبیِ موعود ہیں، جن کا انتظار صدیوں سے دنیا کر رہی تھی۔ لیکن یہودی اس بنا پر انکار کر رہے تھے کہ یہ بنو اسحٰق سے نہیں ہیں۔قرآن کہتا ہے: یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم. یہ رسول کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے لڑکوں کو۔ وہ انکار محض نسلی تعصب کی بنا پر کر رہے تھے۔ اس سے بڑھ کر بدبختی اور کیا ہو گی؟ بہرحال قرآن اسی نبیِ منتظر کی آمد کا اعلان کر رہا ہے:

يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ	اے لوگو! تمھارے رب کی طرف سے وہ
الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ	رسول حق لے کر آ گیا، تم اس پر ایمان لاؤ
فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ، وَاِنْ	یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔ اگر انکار
تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي	کرو گے تو یاد رکھو اللہ ہی کے لیے وہ سب
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَكَانَ	کچھ ہے جو زمین اور آسمانوں میں ہے،
اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. (النساء:۱۷۰)	اللہ علم وحکمت والا ہے۔
قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ	اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ بلاشبہ تمھارے
جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ	پاس تمھارے رب کی طرف سے حق آ گیا۔ پس
فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا	جس شخص نے حق کی سیدھی راہ اختیار کی تو راست
يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ	روی کی بھلائی اسی کے لیے ہے اور جس نے
ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا	گمراہی اختیار کی تو گمراہی کا نقصان بھی اسی کے
وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ.	لیے ہے (میرا کام راہ دکھانا ہے) اور میں تم پر وکیل
وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ	مقرر نہیں کیا گیا ہوں کہ تم کو (پکڑ کر) سیدھی راہ پر
وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ	لگا دوں۔ اے پیغمبر جو تم کو وحی کی گئی ہے اس کے
اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ	مطابق چلو اور صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر
الْحٰكِمِيْنَ.	دے۔ وہ فیصلہ کرنے والوں میں بہتر فیصلہ کرنے
(یونس: ۱۰۸تا۱۰۹)	والا ہے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ. ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا اور وہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ حق اس کو کہا جاتا ہے جو باقی وثابت رہنے والا ہوتا ہے اور باطل اسے کہتے ہیں

جو باقی نہ رہنے والا ہو، مٹ جانے والا اور نابود ہونے والا ہو۔ یہ اللہ کا اٹل قانون ہے کہ جب حق و باطل باہم متصادم ہوں گے تو حق غالب ہوگا اور باطل پاش پاش ہو جائے گا:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى	ہمارا قانون یہ ہے کہ حق باطل سے ٹکراتا
الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ	ہے اور اسے پاش پاش کر دیتا ہے پھر
زَاهِقٌ. (الانبیاء:۱۸)	اچانک وہ نابود ہو جاتا ہے۔
وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ	اور کہہ دو حق نمودار ہو گیا اور باطل
الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ	نابود ہوا اور یقیناً باطل نابود ہونے والا
زَهُوقًا. (بنی اسرآئیل:۸۱)	تھا۔

وحی و تنزیل حق ہے باقی و ثابت رہنے والی چیز ہے۔ جن لوگوں نے اس کی مخالفت کی وہ مٹ گئے۔ آج دنیا میں ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا اور وحی و تنزیل قرآن مجید قائم و ثابت رہنے والی حقیقت ہے اسے کبھی مٹایا نہیں جا سکتا۔ یہ قرآن شریف کی طرف سے ساری دنیا کے لیے چیلنج ہے۔ دنیا لاکھ کوشش کرے، اس کے کسی حرف کو بھی محو نہیں کر سکتی۔ اس کا محافظ اللہ ہے۔ ارشاد ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا	بے شک قرآن ہم نے نازل کیا اور یقیناً
لَهُ لَحٰفِظُوْنَ. (الحجر:۹)	ہم اس کے محافظ ہیں۔

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا کلام ہے کسی مخلوق کا نہیں اس لیے نہ اس کو مٹایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے مثل لانے پر کوئی قادر ہو سکتا ہے۔ فصحائے عرب، جن کو اپنی زبان دانی پر اس درجہ غرور تھا کہ وہ اپنے سوا باقی دنیا والوں کو عجم کہتے تھے، یعنی ہمارے سوا کوئی اور بولتا ہی نہیں لیکن جب اللہ کے رسول نے قرآن سنایا تو سب مہر بر لب دم بخود رہ گئے۔ قرآن نے دعوت دی:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. (البقرۃ:۲۳)	ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمھیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورۃ تو بنا لاؤ، تمھیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو۔
قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا. (بنی اسرآئیل:۸۸)	آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمام جن وانس مجتمع ہو کر کوشش کریں کہ قرآن کے مثل کلام لے آئیں تو اس کے مثل ہرگز نہیں لا سکتے اگرچہ اس کاوش میں ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔

علامہ رسید رضا الوحی المحمدی میں لکھتے ہیں:

''خاتم الانبیاء ﷺ کے نبی ورسول ہونے کی دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے موضوعِ نبوت کو قرار دیا ہے۔ یعنی آپ کے نبی صادق ہونے کی سب سے بڑی حجت خود قرآن ہے۔''

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اور انبیاء کرام کو بہت سے خوارقِ عادات معجزات دیے گئے اور مجھے قرآن دیا گیا اور میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن انبیاء کرام میں سب سے زیادہ میرے اطاعت گزار امتی ہوں گے۔

دیکھیے! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میدانِ تیہہ میں چالیس برس تک اپنے نبی کے ساتھ رہ کر معجزات کا مشاہدہ کرتی رہی لیکن اس کے باوجود انھیں موقع ملا تو بچھڑے کی

پرستش شروع کر دی۔ بنی اسرائیل اپنے برگزیدہ نبی کو طرح طرح سے پریشان کرتے رہے۔ من وسلویٰ اطمینان سے کھاتے رہے لیکن شکرگزار نہ ہو سکے۔ اس کے برعکس اصحابِ رسول ﷺ کو دیکھیے، مشرکین کے ظلم وستم برداشت کرتے رہے اور بھوکے پیاسے رہے مگر اپنے پیغمبر کی اطاعت و پیروی سے ایک لمحہ کے لیے بھی تامل نہ کیا۔ علامہ رشید رضا لکھتے ہیں:

''یہی جذبۂ طاعت تھا جس کی بنا پر محمد رسول اللہ ﷺ کے جاں نثاروں نے نصف صدی میں آدھی دنیا کو فتح کر لیا۔''

صحابۂ کرام میں قناعت و استغنا، جذبۂ سرفروشی اور عقیدۂ آخرت کی پختگی، یہ سب قرآنی آیات کی تاثیر کا ثمرہ تھا۔ مسلمانوں کی قوت کا یہی قرآن سرچشمہ تھا۔ کفار سب سے زیادہ اسی سے خائف تھے۔ قرآنِ مجید سے مشرکینِ عرب کے خوف اور شکست خوردگی کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ان کی کوشش ہوتی کہ کوئی شخص قرآن نہ سنے۔ قرآن نے ان کا قول نقل کیا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا	اور کفر کرنے والوں نے کہا کہ قرآن کو ہر
تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ	گز کوئی نہ سنے۔ اگر تلاوت کی جارہی ہو تو
الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ.	شور و غوغا کرو، شاید اس طرح تم غالب
(حٰم السجدہ: ۲٦)	آسکو۔

قرآن کی اسی تاثیر کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حرمِ پاک میں نماز پڑھنے اور تلاوت کرنے سے روک دیا گیا تھا، کیوں کہ ان کی تلاوت اور نماز میں ان کے گریہ و بکا کی تاثیر سے لوگ اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے۔ پھر آپ نے اپنے گھر کے باہر صحن میں ایک مسجد بنا لی اور اس میں نمازیں پڑھنے لگے۔ لیکن ہوا یہ کہ مشرکین کی عورتیں اور ان کے بچے رات میں ہر طرف سے آ آ کر آپ کے گھر کے گرد جمع ہو جاتے تاکہ قرآن پاک کی

تلاوت سنیں۔ پھر مشرکین نے مداخلت کی اور کہا کہ بات تو وہی رہی، ہمیں اپنی عورتوں اور اولاد کی طرف سے خطرہ ہے کہ وہ اسلام کے لیے ہم پر غالب نہ آجائیں۔ تم اپنے صحن میں بھی نماز نہیں پڑھ سکتے۔ بالآخر آپ کو ہجرت پر مجبور کر دیا گیا۔ راستے میں اپنی قوم کا سردار ابنِ دغنہ ملا اس نے ہجرت کا سبب پوچھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کر دیا۔ ابنِ دِغنہ اسلام سے قبل آپ کے فضائل سے واقف تھا اس نے آپ کو اپنی حمایت میں لے لیا اور مکہ واپس لے آیا (رواہ البخاری) قریش نے ابنِ دغنہ سے کہا کہ آپ انھیں حکم دیجیے کہ یہ گھر کے اندر نمازیں پڑھیں اور تلاوت کریں ہم کو اذیت نہ پہنچائیں۔ ہم لوگوں کو اپنی عورتوں اور بچوں کی طرف سے فتنے کا خطرہ ہے۔ ابنِ دغنہ نے ابو بکر کو قریش کی بات سے آگاہ کیا۔ کچھ دنوں تک آپ گھر کے اندر نمازیں پڑھتے رہے۔ پھر جذبۂ اِعلاءِ حق سے مجبور ہو کر صحن میں نماز پڑھنے لگے۔ قریش نے ابنِ دِغنہ سے شکایت کی۔ ابنِ دِغنہ نے اس بارے میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی۔ بالآخر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ابنِ دغنہ سے فرمایا میں تمھارا ذمہ واپس کرتا ہوں۔ میں اپنے رب کے ذمہ پر راضی ہوں۔ اس کا ذمہ میرے لیے کافی ہے۔

اس واقعہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ قریش آیاتِ قرآنیہ سے کس درجہ دہشت زدہ تھے۔ قرآن شریف ہی کی تاثیر تھی کہ جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے تند خو، قسی القلب شخص کو حق کے آگے سرنگوں کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ گھر سے باہر رات گزارنی پڑی۔ صبح کو حرمِ پاک میں حاضر ہوئے اور غلافِ کعبہ میں چھپ گئے۔ اس وقت نبیِ کریم ﷺ نماز میں سورۃ الحاقہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ حضرت عمر توجہ کے ساتھ قرآن سننے لگے اور اس کے نظم و نسق اور انوکھے اسلوبِ بیان سے حیرت زدہ رہ گئے۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہ شاعر ہیں جیسا کہ قریش کے لوگ کہتے ہیں۔ اتنے میں آپ نے تلاوت کی:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝ (الحاقہ: ۴۰ تا ۴۱)

یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ تم کم ہی ایمان لاتے ہو۔

حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے جی میں کہا یہ تو کاہن ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الحاقہ: ۴۲ تا ۴۳)

یہ کسی کاہن کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔ یہ رب العٰلمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

آخر سورہ تک تلاوت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت میرے دل میں اسلام داخل ہو گیا۔ (تاریخ عمر ابن خطاب لابن جوزی) یعنی اسلام کی حقانیت کا احساس پیدا ہو گیا۔ لیکن ان کے اندر ابھی جاہلی عصبیت اور اسلام کی صداقت کے احساس کے درمیان کشمکش جاری تھی۔ کبھی دل اسلام کی طرف مائل ہوتا، کبھی کفر اپنی طرف کھینچ لیتا۔ اسی جھنجھلاہٹ میں ایک روز گھر سے تلوار لے کر باہر نکلے اور راستے میں نعیم بن عبداللہ عدوی سے ملاقات ہوئی۔ نعیم نے ان کا تیور دیکھ کر پوچھا: عمر کہاں جا رہے ہو؟ عمر نے کہا: (معاذ اللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ نعیم نے کہا: پھر تم بنو ہاشم اور بنو زہرہ کے انتقام سے کیسے بچ سکو گے؟ اور عمر یہ بتاؤ کہ اگر کوئی دین تمھارے دین سے اچھا ہو تو؟ عمر نے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی بے دین ہو گئے ہو۔ نعیم نے کہا: عمر سن لو! تمھاری بہن اور بہنوئی بھی تمھارا دین چھوڑ چکے ہیں۔ یہ سن کر عمر غصے سے بیتاب ہو گئے اور بہن کے گھر کی طرف چل پڑے۔ اندر حضرتِ خباب ان کی بہن اور بہنوئی کو قرآن پڑھا رہے تھے۔ حضرتِ خباب نے آہٹ سنی اور اندر چھپ گئے۔ گھر کے قریب پہنچنے پر عمر کے کانوں میں پڑھنے کی آواز پہنچ گئی تھی۔ پوچھا: تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟ ان کی بہن فاطمہ نے کہا کہ ہم باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمر نے کہا: غالباً تم لوگ بے دین ہو گئے ہو۔ اس پر آپ کے بہنوئی

نے کہا: اگر کوئی دین تمھارے دین سے بہتر ہو تو؟ اتنا سننا تھا کہ بہنوئی پر چڑھ دوڑے۔ ان کو کچل کر رکھ دیا۔ بہن نے اپنے شوہر کو بچانا چاہا تو ان کو اس زور کا چانٹا مارا کہ چہرہ خون آلود ہو گیا۔ بہن نے پر جوش اور پر غضب لہجے میں کہا کہ عمر! اگر کوئی دین تمھارے دین سے بہتر ہو تو؟ سنو! اشهد ان لا الـه الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله (ﷺ) میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائقِ پرستش نہیں اور گواہی دیتی ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں (ﷺ)۔ بہن کا خون آلود چہرہ دیکھ کر شرمندگی کا احساس ہوا۔ کہنے لگے: تم لوگ جو پڑھ رہے تھے لاؤ مجھے بھی دو، میں بھی پڑھوں گا۔ بہن نے کہا یہ کتاب صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ پہلے جا کر غسل کرو! عمر نے غسل کیا اور کتاب ہاتھ میں لے لی اور پڑھا: بسم الله الرحمٰن الرحيم . کہنے لگے یہ تو بیحد پاکیزہ نام ہیں۔ پھر طٰہٰ سے:

اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا	بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا عبادت
فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ	کے لائق اور کوئی نہیں پس تم میری عبادت
لِذِكۡرِیۡ . (طٰہٰ:۱۴)	کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

تک تلاوت کی۔ اور کہنے لگے یہ بڑا عمدہ اور محترم کلام ہے۔ محمد ﷺ کا پتہ بتا دو۔ یہ سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ اندر سے باہر آگئے اور کہا: عمر! رسول اللہ ﷺ نے جو دعا کی تھی کہ اے اللہ! عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعہ اسلام کو قوت پہنچا۔ مجھے یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاء تمھارے حق میں اللہ نے قبول کر لی۔ اور کہا کہ رسولِ اکرم ﷺ اس وقت کوہِ صفا کے پاس والے مکان میں رونق افروز ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار حمائل کی اور اس گھر کے پاس آ کر دروازہ پر دستک دی۔ ایک آدمی نے دروازے کی دراز سے جھانکا تو دیکھا کہ عمر تلوار لیے دروازہ پر موجود ہیں۔ جلدی سے حضورِ اکرم ﷺ کو خبر دی اور تمام لوگ سمٹ کر یکجا ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا: دروازہ پر عمر ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بس عمر ہے، دروازہ کھول دو، اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو ہم خیر ہی عطا کریں گے اور اگر کوئی برا ارادہ لے کر آیا ہے تو ہم اسی کی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیں گے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ جب وحی نازل ہو چکی تو آپ حضرت عمر کے پاس تشریف لے آئے۔ آپ نے عمر کا گریبان اور تلوار کا پرتلا پکڑا اور جھٹکا دیا اور فرمایا: عمر! کیا تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک اللہ تم پر ہی ذلت و رسوائی اور عبرت ناک سزا نازل نہ فرما دے، جیسی ولید بن مغیرہ پر نازل ہو چکی ہے۔ پھر دعاء کی: یا اللہ! یہ عمر بن خطاب ہے۔ یا اللہ! اسلام کو عمر بن خطاب کے ذریعہ قوت وعزت عطا فرما۔ اس دعاء کے بعد سکوت کی مزید گنجائش کہاں۔ عمر پکار اٹھے: اشھد ان لا الہ الا اللہ و انک رسول اللہ (ﷺ) میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً اللہ کے سوا کوئی عبادت و پرستش کے لائق نہیں اور یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سن کر گھر میں موجود تمام لوگوں نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ آواز مسجدِ حرام تک پہنچ گئی۔ (تاریخ عمر ابن خطاب لابن جوزی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں پر ظلم مشرکین کے لیے آسان نہ رہا۔ دعاءِ رسول کے مطابق اسلام کو قوت وشوکت مل گئی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خانۂ کعبہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ (مختصر السیر: شیخ عبداللہ)۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے تو اسلام پردے سے باہر آ گیا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسلام لائے تو ہم برابر طاقت ور اور باعزت رہے۔ (صحیح البخاری: باب اسلام عمر) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد مشرکینِ عرب کا اندازِ فکر بدل گیا۔ اب اسلام کے بڑھتے ہوئے قدم کو روکنے کے لیے سنجیدگی سے غور وفکر پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ ایک روز روسائے قریش اس مقصد کے لیے ایک جگہ جمع ہوئے۔ باہم مشوروں کو بعد طے ہوا کہ ایسے شخص کو (محمد ﷺ) کے

پاس بھیجا جائے جو شعر و ادب نیز سحر و کہانت کے رموز سے اچھی طرح واقف ہو اور ان کے ساتھ معاملہ طے کرے۔ لوگوں نے کہا ہم اس کے لیے عتبہ بن ربیعہ کے سوا کسی کو نہیں جانتے۔ لوگوں نے کہا ہاں، تم ہی ہو، اے ابوالولید! جاؤ محمد ﷺ سے بات کرو۔ عتبہ آپ کے پاس آیا۔ اس وقت آپ صحنِ کعبہ میں ایک جگہ تنہا تشریف فرما تھے۔ عتبہ نے اس بارے میں گفتگو کی اور بتایا کہ سردارانِ قریش کو اندیشہ ہے کہ کہیں تلواریں نہ نکل پڑیں اور بلاوجہ لوگوں کا خون بہے، بہتر ہے کہ آپ معاملہ طے کرلیں۔ قریش تیار ہیں، اگر آپ چاہیں تو دس خوبصورت عورتیں آپ کے عقد میں دے دیں گے۔ اگر مال و دولت کی خواہش ہے تو کہیے آپ کو اتنا مال دے دیا جائے گا کہ آپ عرب میں سب سے زیادہ مال دار ہو جائیں گے۔ اگر ریاست و بادشاہت کی خواہش ہو تو وہ لوگ آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لینے پر تیار ہیں اور وہ شیطان جو آپ کے اندر داخل ہو گیا ہے، اس کا علاج بھی کر دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: تم اپنی بات ختم کر چکے ہو؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اب میری سنو! آپ نے حٰمٓ السجدہ کی تلاوت شروع کی، یہاں تک کہ جب اللہ کے اس قول تک پہنچے:

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ. (حٰمٓ السجدہ: ۱۳)

پھر اگر وہ اعراض کریں تو ان سے کہہ دو میں تم کو کڑک کے ساتھ گرنے والی برقِ تپاں سے ڈراتا ہوں، مثلِ صاعقہ عاد و ثمود کے۔

عتبہ دہشت زدہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور آپ کے لب ہائے مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور رحم کی درخواست کی کہ خدا کے لیے خاموش ہو جائیے۔ اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں عذاب ابھی نہ آجائے۔ اس کے بعد عتبہ جب قریش کی طرف پلٹا تو لوگوں نے اس کا چہرہ متغیر پایا اور سمجھا کہ عتبہ صابی ہو گیا یعنی دینِ محمد کی طرف جھک گیا۔ عتبہ نے جو آپ سے گفتگو کی تھی اسے بیان کیا اور نبی کریم ﷺ کی قرأۃ سے جو اس کے دل پر رعب طاری ہوا تھا، اس کو بتایا اور اس نے رؤسائے قریش سے کہا تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد

جب کچھ کہتے ہیں تو کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ مجھے ڈر ہے کہیں تم پر عذاب نہ نازل ہو جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ عتبہ نے کہا کہ مجھ سے آپ نے ایسے کلام کے ساتھ گفتگو کی کہ واللہ میرے کانوں نے اس کے مثل کبھی نہیں سنا تھا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔

غور کیجیے یہ وہ شخص ہے جو فصاحت و بلاغت کی خوبیوں سے سب سے زیادہ واقف تھا۔ اس واقعہ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کی تاثیر سے مشرکین عرب کس درجہ خائف تھے اور اس کی بلاغت کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن خود منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ حضرت علامہ رشید رضا اپنے شیخ حضرت علامہ محمد عبدہٗ علیہ الرحمہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''قرآن کی اس تاثیر کا جب ایک فرانسیسی فلسفی کو علم ہوا تو اس نے اپنی کتاب میں نصرانی مبلغین کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد محمد (ﷺ) اپنی نبوت پر موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کی طرح نشانیاں نہیں پیش کر سکے۔ اس کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محمد (ﷺ) قرآن کی تلاوت خشوع و سوزِ دروں اور مشاہدۂ حق میں ڈوب کر کرتے تھے تو آپ کی قراۃ لوگوں کے ایمان کی طرف کھنچے چلے آنے میں وہ تاثیر رکھتی تھی جو گزشتہ تمام انبیاء کرام کے معجزات میں نہ تھی۔'' (الوحی المحمدی)

قرآن کی ہی حیرت انگیز تاثیر کا بہت ہی واضح ثبوت اس بات سے ہوتا ہے کہ بعثت کے بعد سولہ سال میں جتنے لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اس سے کئی گنا زیادہ صلحِ حدیبیہ کے بعد چار سال میں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ صلح کے بعد مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان مخالطت پیدا ہو گئی اور آپس میں ایک دوسرے سے قریب آ گئے جس سے مشرکین کو قرآن کی سماعت کا موقع ملا اور اس کی تاثیر سے فوج درفوج عرب اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اسلام کے فروغ کے لیے امن و سلامتی کا ماحول زیادہ سازگار ہوتا ہے۔ اور اسلام امن و سلامتی ہی کا پیغام ہے۔ تلوار اٹھانے کی ضرورت اس وقت

ہوتی ہے جب کہ حق کی حمایت میں باطل کی جارحیت کو روکنے کی کوئی اور صورت نہیں رہ جاتی۔ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔ دعاۃ نصرانیت کا یہ کہنا کہ محمد ﷺ کو حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کی طرح معجزات کونیہ نہیں دیئے گئے، بالکل غلط ہے۔ صحیح احادیث و سیر سے ثابت ہے کہ بڑی کثرت سے خوارق عادات، آیات و معجزات کا آپ کے ذریعہ ظہور ہوا ہے۔ جیسے بدر میں نہتے، بھوکے، غیر مسلح، قلیل تعداد میں مسلمانوں کی فتح و کامرانی، انھیں معجزات میں سے مریض کا دفعتاً شفایاب ہونا، آپ کی دعاء سے نابینا کا بینا ہو جانا تھوڑے کھانے سے بڑی جماعت کا آسودہ ہو جانا اور بھی پھر کھانے کا جوں کا توں باقی رہ جانا، اور انھیں معجزاتِ کونیہ سے آپ کو پتھر کا سلام کرنا اور کنکریوں کا ابوجہل کی مٹھی میں کلمہ پڑھنا۔ معجزاتِ کونیہ کے سلسلے میں ایک صحیح اور مستند واقعہ پیش کر رہا ہوں۔

غزوۂ تبوک میں اسلامی لشکر کا صحرا میں پانی ختم ہو گیا۔ گرمی بہت سخت پڑ رہی تھی۔ لوگ پیاس کی شدت سے بے حال تھے۔ یہاں تک کہ وہ اونٹوں کو ذبح کر کے ان کی آنتوں سے گندگی دور کرتے اور اس کی نمی سے ہونٹوں کو تر کرتے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے عرض کیا:

فقال ابو بکر! یا رسول الله ان الله عودك فی الدعاء خیرا فادع لنا فرفع یدیه فلم یرجعهما حتی کانت السماء قد سبکت لهم ما ملؤوا ما معهم من الروایاولم تتجاوز عسکرهم۔ (رواہ ابن جریر و ابن خزیمہ و ابن حبان و الحاکم و صححہ،	اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ نے آپ کو اچھی دعاء کا عادی بنا دیا ہے تو آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اس وقت تک دعا کرتے رہے کہ آسمان نے اتنا پانی برسایا کہ لوگوں نے اپنے

و ابن مردویہ و ابو نعیم و البیھقی فی کتابیھما	ساتھ کے پانی کے سارے برتن
دلائل النبوۃ و الضیاء فی الاحادیث	(مشکیزے) بھر لیے اور یہ بارش
المختارۃ (الوحی المحمدی، ص:۸۱)	انکے لشکر سے آگے نہ بڑھی۔

یہ معجزات ہیں جن سے کسی کو بھی انکار کی ہمت نہیں ہو سکتی اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ یہ آیاتِ کونیہ بھی نبوت کی دلیلیں ہیں لیکن مقامِ حجت میں ان کا ظہور نہیں ہوا ہے اور نہ ہی اللہ کے رسول نے انھیں اپنی نبوت کے ثبوت پر بطور حجت پیش فرمایا ہے۔ یہ تمام معجزات اصحابِ رسول پر اللہ تعالیٰ کی رحمت، عنایت و مہربانی کے لیے ظہور میں آئے۔ مشرکینِ عرب نے جب بھی کوئی آیتِ کونیہ یعنی خرقِ عادت معجزے کا آپ سے مطالبہ کیا تو اللہ کے رسول نے تمام مطالبات کے جواب میں قرآن پاک سے ان پر حجت قائم کی، کیوں کہ یہ سب سے محکم دلیلِ نبوت ہے۔ اس میں کسی طرح کی حیل و حجت کی گنجائش نہیں ہے۔

مشرکینِ عرب پیغمبرِ اسلام ﷺ سے جس قسم کے خوارقِ عادات معجزات کا مطالبہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے سورہ عنکبوت اور سورہ بنی اسرائیل میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى	نھوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان لانے
تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ	والے نہیں تاوقتیکہ ہمارے لیے زمین سے کوئی
يَنْبُوْعًا. اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ	چشمہ جاری نہ کردیں، یا خود آپ کے لیے ہی
مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ	کوئی باغ ہو کھجوروں، انگوروں کا اور اس کے
الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا. اَوْ	درمیان آپ بہت سی نہریں جاری کردیں۔ یا
تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ	آسمان کو آپ ہم پر گرادیں جیسا کہ آپ کا گمان
عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ	ہے یا آپ خود اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو

وَمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا . اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّىْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا . (بنی اسرائیل: ۹۰تا۹۳)	ہمارے سامنے لاکر کھڑا کردیں، یا آپ کے اپنے لیے سونے کا کوئی گھر ہو جائے، یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھ جانے کا بھی اس وقت تک ہرگز یقین نہیں کرینگے جب تک کہ آپ ہم پر پوری کتاب نہ اتار لائیں جسے ہم خود پڑھ لیں۔ (اللہ نے فرمایا) آپ جواب دے دیں کہ میرا پروردگار پاک ہے، میں تو صرف ایک انسان ہوں اور رسول بنایا گیا ہوں یعنی میرا منصب یہ ہے کہ اللہ جو پیغام مجھے دے اسے میں جوں کا توں لوگوں تک پہنچادوں
وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ . (العنکبوت:۵۰)	انھوں نے کہا کہ اس پر کچھ نشانیاں (معجزات) اس کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتاری گئیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو سب اللہ کے پاس ہیں میں تو صرف برائیوں پر صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔
اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ . (العنکبوت:۵۱)	کیا ان لوگوں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو انھیں برابر سنائی جارہی ہے۔ اس میں رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی ان لوگوں کے لیے جو ایمان دار ہیں۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ. (الجاثیۃ:۲۰)	یہ (قرآن) لوگوں کے لیے واضح دلیلوں کی روشنی ہے اور ہدایت و رحمت ہے یقین رکھنے والوں کے لیے۔

اللہ کے رسول سے مشرکینِ عرب جس قسم کی نشانیوں کا مطالبہ کر رہے تھے انھیں پڑھ کر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان میں حق کی طلب کا ادنیٰ سا جذبہ بھی موجود نہیں تھا۔ اگر انھیں حق کی جستجو ہوتی تو ان کے لیے قرآن کافی تھا۔ قرآن نے ان کے ایک اور معاندانہ مطالبے کا ذکر کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَا اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ. قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَا اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (یونس:۱۵تا۱۶)	اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے، کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے، یا اس میں ترمیم کر دیجیے۔ آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں۔ بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا، جو میرے پاس وحی کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ آپ کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو نہ تو میں تم کو وہ پڑھ کر سناتا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع دیتا۔ کیوں کہ میں اس سے پہلے ایک بڑے حصہ عمر تک تم میں رہ چکا ہوں پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

حضرت علامہ رشید رضا علیہ الرحمہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ . کی یہ وضاحت فرماتے ہیں:

''جس شخص نے چالیس برس کی طویل عمر گزاری ہو اور عام فصحائے عرب کے انداز میں گفتگو کرتا ہو، قرآن جیسی معجزانہ بلاغت کا اس کی زبان سے صدور نہ ہوا ہو، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ دورِ کہولت میں پہنچ کر اچانک ایک بالکل نادر اور انوکھے اسلوب میں ایک ایسا معجزانہ بلیغ کلام اپنی طرف سے پیش کر دے جسے سن کر تمام فصحائے عرب مہر برلب دم بخود رہ جائیں۔ یقیناً یہ ممکن نہیں ہے۔ ہر آدمی کا ایک خاص لب ولہجہ ہوتا ہے جو عمر کے ساتھ ساتھ پختہ ہو جاتا ہے۔ اسلوبِ بیان میں اچانک تبدیلی نہیں ہوسکتی حقیقت یہ ہے کہ قرآن خود اس بات کی سب سے بڑی حجت ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے۔ بلکہ یہ منزل من اللہ، کلام الٰہی ہے۔''

یہاں ایک اور چیز قابلِ غور ہے۔ آپ سے پہلے بلادِ عرب میں یہود ونصاریٰ بھی آباد ہو گئے تھے جن کے اثر سے بہت سے فصحائے عرب اور ان کے عظیم شعراء نے نصرانی مذہب قبول کر لیا تھا۔ جیسے قس بن ساعدۃ الایادی اور امیہ بن ابی الصلت یہ لوگ علمائے یہود سے سنتے تھے کہ اُس نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے جس کی بشارت حضرت موسیٰ وعیسیٰ اور دوسرے انبیاء نے دی ہے۔ قیس کے بارے میں روایت ہے کہ بازارِ عکاظ میں سرخ اونٹ پر بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا اور لوگوں کو بتا رہا تھا کہ اللہ کے لیے ایک بہتر دین ہے اس دین سے جس پر تم ہو اور نبیِ منتظر کے ظہور کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ جو ان کے زمانے کو پائے اور ان کا اتباع کرے، اس کے لیے خوش خبری ہے۔ اور جو ان کی مخالفت کرے اس کے لیے ہلاکت وتباہی ہے۔ سوچنے کی چیز یہ ہے کہ یہودیت ونصرانیت اور ایسے شعراء کے خلاف کبھی کوئی طوفان کیوں نہیں اٹھا؟ حالاں کہ یہ لوگ بت پرستی کی صراحتاً مخالفت کرتے تھے۔

لیکن اس کے برعکس قومِ عرب سے وہ شخص جو سب سے زیادہ قابلِ احترام اور

لائقِ اعتماد تھا، جسے لوگ امین و صادق کے لقب سے پکارتے تھے۔ جب اسی امین و صادق نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا اور کہا: قولوا، لا الہ الا اللہ کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو گویا پورے عرب میں زلزلہ آ گیا۔ غیض و غضب کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ نے ایک شعر میں اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ کہتے ہیں ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

آپ اس امر پر غور کیجیے کہ رؤسائے عرب اللہ کے رسول سے پیغامِ توحید سن کر اس درجہ غضب ناک کیوں ہو گئے؟ کیا اس لیے کہ آپ بت پرستی سے روک رہے تھے؟ اگر صرف اتنی ہی بات تھی تو امیہ بن ابی ا لصلت، قس بن ساعدۃ بھی تو بت پرستی کے خلاف آواز بلند کر رہے تھے، پھر انکے خلاف کوئی شورش کیوں نہیں برپا ہوئی؟

دیکھیے! اگر کوئی کسی کو پیغام دیتا ہے اور مخاطب کو وہ پسند نہیں ہے تو ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ انسان کوئی پیغام سننے کے بعد اس وقت غضب ناک ہوتا ہے جب اس کے مفاد پر ضرب پڑتی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ سردارانِ قریش کافی ذہین اور سوجھ بوجھ کے مالک تھے۔ چوں کہ وہ دیارِ حرم میں رہتے تھے، اس لیے کعبہ کی مجاورت سے ان کو بہت زیادہ مالی فوائد حاصل تھے اور بیت اللہ کی نگہبانی کے صلہ میں انھیں مذہبی قیادت کا منصب بھی حاصل تھا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے قرآن سننے کے بعد بڑی سرعت کے ساتھ سمجھ لیا کہ اگر انھیں ہم اللہ کا رسول تسلیم کر لیں تو ہمارے تمام اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا۔ دوسروں پر ہمیں کیا اختیار رہ جائے گا، خود اپنی ذات کے بھی ہم مالک نہیں رہ جائیں گے۔ ان کے اشتعال کا ایک خاص سبب یہ بھی تھا کہ بلال و عمار،

صہیب رومی اعیانِ قریش کے دوش بدوش چلتے پھرتے تھے تو رؤسائے قریش نے محسوس کیا کہ اگر ابھی سے اسلام کے بڑھتے ہوئے قدم کو روک نہ دیا گیا تو عرب کا پورا سماج بدل کر رہ جائے گا۔ ہماری آبائی ونسلی برتری کا خاتمہ ہوجائے گا۔ آقائی ومولائی کا فرق مٹ جائے گا۔ یہی اسباب تھے جن کی بنا پر پیغمبرِ اسلام رحمۃ اللعالمین ﷺ اور آپ کے متبعین کے خلاف سردارانِ قریش اس درجہ مشتعل ہوئے کہ آپ کے قتل پر آمادہ ہوگئے ورنہ وہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ محمد ﷺ قرآن اپنی طرف سے نہیں پیش کر رہے ہیں، اس کا ثبوت ابوجہل کے ایک قول سے ہوتا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ ابوجہل نے آپ سے ایک مرتبہ کہا تھا:

انا لا نكذبك بل نكذك ما	اے محمد (ﷺ) ہم تمھاری تکذیب نہیں کرتے
جئت به.	بلکہ اس کو جھٹلاتے ہیں جو تم لے کر آئے ہو۔

حضرت علامہ رشید رضا علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"رؤسائے عرب اور لوگوں کی بنسبت پیغمبرِ اسلام ﷺ کے صدق کے زیادہ جاننے والے تھے۔"

انھیں لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ	اے نبی ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ
يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ	بناتے ہیں ان سے تمھیں رنج ہوتا ہے،
وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	لیکن یہ لوگ تمھیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم
يَجْحَدُوْنَ. (الانعام:۳۳)	دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔

اب تک گفتگو اس بارے میں تھی کہ قرآنی آیات کے مشرکینِ عرب پر کیا اثرات مرتب ہوتے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں پر قرآن کس طرح اثر انداز ہو رہا ہے۔

قرآن خود اس کو بتا رہا ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ. (الزمر:۲۳)

اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل کیا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی جانے والی آیتوں کی ہے۔ جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے جسم اور دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ذریعہ جسے چاہتا ہے راہِ راست پر لگا دیتا ہے اور جسے اللہ راہ سے بھٹکا دے دوسرا کوئی اس کا ہادی نہیں۔

ان آیات کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ قرآنِ مجید کا صحابۂ کرام پر کتنا شدید اثر ہوتا تھا وہ آیاتِ قرآنیہ سن کر لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔اس کا نتیجہ تھا کہ وہ پورے جسم و جان کے ساتھ اللہ کے ذکر کی طرف مائل ہو گئے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کا وصف بیان فرمایا ہے:

اَلَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ.

(آل عمران:۱۹۱)

وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، قیام وقعود کی حالت میں بھی اور اپنے پہلو کے بل لیٹ کر بھی۔

یعنی صحابۂ کرام اپنے رب سے کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ غالباً مرزا مظہر جانِ جاناں کا ایک شعر ہے۔

اک لحظہ دلا غافل ازاں ماہ نہ باشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نہ باشی

آیتِ قرآنیہ کی تاثیر اور رسولِ خدا ﷺ کی تربیت کے نتیجے میں صحابۂ کرام کا ایسا تزکیۂ نفس ہو گیا تھا کہ ان میں ذرہ برابر بھی دورِ جاہلیت کی آلودگی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ عہدِ جاہلیت کے تمام مفاسد یکسر دور ہو گئے تھے۔ وہ اخلاق و کردار کے اس اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے تھے جہاں کوئی امت کبھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ یہ ایک ایسا روحانی و اجتماعی انقلاب تھا، جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اللہ کے رسول نے اسی کو اپنا مقصدِ بعثت قرار دیا تھا۔ آپ نے فرمایا:

انما بعثت لا تمم مکارم الاخلاق.

میں اسی لیے مبعوث کیا گیا ہوں کہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں۔

اور یقیناً اللہ کے رسول نے اخلاق و کردار کو آخری نقطۂ عروج تک پہنچا دیا اور آپ نے ایک ایسی قوم پیدا کر دی جس کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران: ۱۱۰)

اب ذرا غور کیجیے کہ ماقبل اسلام عرب کا کیا حال تھا۔ ان میں کسی قسم کی وحدت و مرکزیت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ حقیقی معنی میں لفظ قوم کا اطلاق بھی ان پر درست نہیں تھا۔ وہ منتشر و پراگندہ قبائل تھے، جن کا کوئی ایک دستورِ حیات نہیں تھا۔ ہر قبیلے کا الگ سماجی نظام تھا جہالت کا یہ عالم تھا کہ لوگ باستثنائے چند معمولی لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ ان میں کوئی مدون کتاب تھی اور نہ کوئی معمولی مکتب۔ الغرض ان میں تمدن و حضارت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ جب صورتِ حال یہ تھی تو ظاہر ہے کہ متمدن دنیا کی قوموں میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن قرآنی آیات کی تاثیر اور پیغمبرِ اسلام

روحی فدا علیہ ﷺ کی تربیت کے نتیجے میں جب اس نے اپنی اصلاح کرلی اوران میں اخلاق فاضلہ کے جوہر پیدا ہوگئے ،خودتو قومی حالات میں اس تیزی کے ساتھ تبدیلیاں واقع ہوئیں کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔وہ امی اوران پڑھ قوم دنیا کی معلم بن کرابھری اوراس نے پوری دنیا کوعلم وعرفان سے منور کردیا ۔یورپ کا مایہ ناز مفکر پروفیسر ژال سیما لکھتا ہے:

''مغرب کے تمدن کا کوئی شعبہ نہیں جس پر اسلام کی چمک نہ پڑی ہو۔''

یورپ کے سرکردہ مفکرین کواعتراف ہے کہ مغرب کو جہالت وغباوت کی تاریکیوں سے نکالنے میں عربوں کا بہت بڑادخل ہے۔یادرہے کہ یورپ میں علمی بیداری اندلس کے عربوں ہی کے ذریعہ پیدا ہوئی ،لیکن وہی امت جس کا پرچمِ اقبال صدیوں تک افقِ عالم پرلہراتا رہا،وہ دورِ حاضر میں دنیا کی پس ماندہ قوموں میں شمار کی جاتی ہے۔جب کہ آج دنیا میں مسلمان بڑی تعداد میں آباد ہیں،اور کچھ ممالک زبردست قدرتی وسائل کے مالک بھی ہیں۔لیکن ہرجگہ وہ دوسروں کومقابلہ میں پس ماندگی و زبوں حالی سے دوچار ہیں۔تعلیم کے میدان میں بھی دوسری اقوام سے کافی پیچھے ہیں۔اس کا علاج کیا ہے؟ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی پس ماندگی کا سبب ان کا علمِ جدید سے بے بہرہ ہونا ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علوم جدیدہ اور جدید ٹکنالوجی کے بغیر مسلمان زندگی کی دوڑ میں دوسری اقوام کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔لیکن صرف مادی علوم وفنون کے ذریعہ یہ امت عظمتِ رفتہ حاصل نہیں کرسکتی انڈین فلسفی ڈاکٹر رادھاکرشنن نے ایک سائنس کالج کا سنگ بنیادرکھنے کے بعد طلباء کوخطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

''سائنس ضرور پڑھولیکن اپنے اندر روحانیت بھی پیدا کرو ورنہ نرے حیوان بن کررہ جاؤگے۔''

میرا بھی نقطۂ نظر یہی ہے کہ اگر مسلمان ماضی کا وقار چاہتا ہے تو ان کوعلومِ جدیدہ کے ساتھ اپنی اخلاقی وروحانی اصلاح بھی کرنی ہوگی ، یہ سب پر مقدم ہے۔دوسرے علوم

وفنون کا حصول دوسرے درجہ میں ہے، اگر امتِ مسلمہ عظمتِ رفتہ کی آرزو رکھتی ہے تو اسے کتاب و سنت کے سانچے میں اپنی زندگیوں کو ڈھالنا ہوگا۔ جب تک ہم اپنی اصلاح نہیں کر لیتے اس وقت تک قومی وقار کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ اللہ کا یہی قانون ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ. (الرعد:۱۱)	اللہ تبارک و تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک لوگ اپنے حالات نہیں بدل لیتے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی سزا کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ بدلا نہیں کرتا اور سوائے اس کے کہ کوئی بھی ان کا کارساز نہیں ہے۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ کے رسول نے اخلاق و کردار کی تکمیل کو اپنا مقصدِ بعثت بتایا ہے۔ اب دیکھیے کہ قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کا منصب کیا بتا رہا ہے۔ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ. (الجمعۃ:۲)	وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور لوگوں کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیتِ کریمہ میں حضور ﷺ کے چار مناصبِ عالیہ کا ذکر ہے۔ پہلے یہ کہ یہ رسول آیاتِ الٰہیہ پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں۔ اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔ دوسرے، حسنِ عمل اور اخلاقِ حسنہ کے ذریعہ مومن کا تزکیہ نفس فرماتے ہیں۔ تیسرے، کتاب اللہ کے رموز و غوامض

سے اپنے اصحاب کو بقدرِ استطاعت مطلع فرماتے ہیں اور لوگوں کو حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

پہلا حصہ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ خصوصیت کے ساتھ لائقِ توجہ ہے۔ اہلِ فکر کے لیے اس میں بڑی بصیرت ہے۔ بالفرض اگر آپ کی بعثت کسی متمدن اور ترقی یافتہ قوم میں ہوئی ہوتی جہاں علماء و حکماء اور مختلف علوم و فنون کے ماہرین موجود ہوتے تو کوئی سوچ سکتا تھا کہ معاذ اللہ آپ نے لوگوں سے سیکھ کر یا سن کر قرآن جیسی کتاب پیش کر دی ہے۔ لیکن اس قوم میں آپ کی بعثت جو علم و فن کے نام سے بھی نا آشنا تھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن منزل من اللہ کلامِ الٰہی ہے۔ اس میں کسی انسان کا کوئی دخل نہیں ہے۔

غور کیجیے کہ آپ امی ہیں لیکن آپ نے دنیا کے سامنے ایک ایسی کتاب پیش کی جس میں ارض و سماوات کی تخلیق اور علمِ ہیئت کے دقیق مسائل موجود ہیں اور لطف یہ کہ جدید سائنس اس کی تائید کر رہی ہے جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں۔ اس کے علاوہ انسانی زندگی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کا حل قرآن میں موجود نہ ہو۔ معاشیات، اقتصادیات، آدابِ معاشرت اور اخلاقیات کا مفصل بیان قرآن شریف میں موجود ہے۔

اس وقت اسلام امریکہ اور یورپ میں اہلِ علم کے اندر تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے نو مسلموں نے قبول اسلام کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔ مجھے جرمنی کے ایک ماہرِ اقتصادیات کا بیان یاد آ رہا ہے، جو سہارا ہندی ایڈیشن میں شائع ہوا تھا وہ لکھتا ہے:

> ''میں نے حیرت کے ساتھ دیکھا کہ قرآن جو اقتصادی نظام پیش کر رہا ہے اس میں اشتراکیت جیسی افراد پر سخت گرفت ہے نہ سرمایہ دارانہ نظام جیسی کھلی چھوٹ ہے کہ جس سے مزدوروں اور کاشت کاروں کا استحصال ہوتا ہو۔ بلکہ دونوں کے درمیان اسلام ایک توازن برقرار رکھتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ آج سے چودہ سو برس پہلے ایک امی شخص اپنی طرف سے ایسے

توازن کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن ان کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ علیم و خبیر خالقِ کائنات کا کلام ہے۔اس کے بعد میں نے پورے صمیمِ قلب کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔"

اب آپ خود فیصلہ کیجیے کہ قرآن کے بارے میں مشرکینِ عرب کی یہ بکواس کہ کوئی آپ کو اس کا املا کرا دیتا ہے، حد درجہ مضحکہ خیز ہے:

وَقَالُوٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ	اور یہ بھی کہا کہ یہ تو اگلوں کے افسانے ہیں
اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ	جو اس نے لکھا رکھے ہیں بس وہی صبح و شام
بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا. (الفرقان:۵)	اس کے سامنے پڑھے جاتے ہیں۔

اس طرح مغرب کے بعض مستشرقین کا یہ قول کہ عرب فلسفہ و حکمت میں بڑی دست رس رکھتے تھے۔قرآن انھیں عربوں کے خیالات سے ماخوذ ہے، قطعاً بغض و عناد پر مبنی ہے۔ یہ اہلِ علم کے شایانِ شان نہیں۔تاریخ شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دو سو برس بعد عرب فلسفہ سے آشنا ہوئے۔خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آپ کا امی ہونا اور جاہل قوم میں مبعوث ہونا آپ کی نبوت و رسالت کی زبردست حجت ہے۔قرآن کا ارشاد ہے:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ	اس سے پہلے آپ کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے
كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا	اور نہ کچھ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے کیوں کہ اس
لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ. (العنکبوت:۴۸)	صورت میں باطل پرست شک میں پڑ جاتے۔

یعنی آپ کا نہ پڑھنا اور نہ لکھنا تمام فاسد شبہات کا خاتمہ کر دیتا ہے اور ہر انصاف پسند کا وجدان پکار اٹھتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔اس مقام پر ایک اور گوشۂ فکر و نظر ہے سنّنِ معروفہ اور عادتِ جاریہ ہے کہ جو بچہ جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے اور پروان چڑھتا ہے۔وہ

اپنے ماحول سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ ابتدائی عمر میں وہ وہی مذہب اختیار کرتا ہے جو اس کے گرد و پیش اور خاندان والوں کا مذہب ہوتا ہے۔ ہاں سنِ بلوغ تک پہنچنے کے بعد جب اس میں شعور پختہ ہو جاتا ہے تو اگر آبائی مذہب کے خلاف اس کے ذہن میں دلائل پیدا ہوئے تو ہو سکتا ہے کہ اپنی قوم کے مذہب سے انکار کر دے لیکن ابتدائی عمر میں بچہ بہر حال وہی مذہب اختیار کرتا ہے جو اس کی قوم اور اس کے خاندان کا مذہب ہوتا ہے۔ لیکن محمد عربی ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیجیے۔ پوری قوم شرک و بت پرستی میں مبتلا ہے مگر آپ بالکل ابتدائی عمر میں بھی بتوں سے سخت متنفر تھے، ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی آپ کو گوارہ نہیں تھا۔ جبرئیلِ امین علیہ السلام تو چالیس برس کے بعد وحی لے کر آئے لیکن آپ ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی سے محروم نہیں ہوئے۔ ہر منزل اور ہر گام پر اللہ کی خفیہ وجدانی ہدایت آپ کی نگراں تھی۔ آپ اسی سمت قدم بڑھاتے جس سمت معبودِ حقیقی کی رہنمائی ہوتی تھی۔ آپ انسان تھے لیکن سب سے ممتاز۔ آپ بشر تھے لیکن خیر البشر، سب سے افضل و برتر۔ آپ کی روحِ مزکیٰ و قلبِ مطہر پر وحیِ الٰہی کا نزول ہونے والا تھا اس لیے اللہ نے ہمیشہ آپ کے قلب و روح کو ہر قسم کی تیرگی سے محفوظ رکھا۔ آپ کی ذاتِ مقدسہ اور آپ کی روشن و تابناک سیرتِ مبارکہ قرآن کی طرح نبوت و رسالت کے لیے برہانِ قاطع اور حجتِ ساطعہ ہے۔

اگر طلب صادق ہو تو آپ کی پاکیزہ سیرت کا مطالعہ حق تک رسائی کے لیے کافی ہے۔ اسی لیے اللہ نے جہاں وحیِ الٰہی کو نور کہا ہے، آپ کی ذاتِ ستودہ صفات کو بھی نور فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ. (المائدہ:۱۷)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے رشد و ہدایت کا نور اور روشن کتاب آگئی۔

یہاں نور سے مراد محمد عربی ﷺ ہیں، کتابِ مبین کا عطف اس کی دلیل ہے۔ وحیِ الٰہی بھی نور ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا. (النساء: ۱۷۵)

ہم نے تمھاری جانب نور نازل کیا (یعنی وحی کی)۔

دینِ اسلام بھی نور ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَیَغْفِرْ لَکُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (الحدید: ۲۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ۔ اللہ تمھیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا اور تمھیں نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے پھرو گے اور تمھارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ. (الزمر: ۲۲)

وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہے۔ اور ہلاکی ہے ان پر جن کے دل یادِ الٰہی سے (اثر نہیں لیتے بلکہ) سخت ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔

یعنی جس کو قبول حق اور خیر کا راستہ اپنانے کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مل جائے پس وہ اس شرحِ صدر کی وجہ سے رب کی روشنی پر ہوگا۔ کیا اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا دل اسلام کے لیے سخت اور سینہ تنگ ہو اور وہ گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو۔

قرآن بھی نور ہے، دینِ اسلام بھی نور ہے، اور جس پر نازل ہوا وہ بھی نور ہیں۔ یورپ کے

مستشرقین کو اس بات سے انکار کی جرأت تو ہوئی نہیں کہ اسلام نے دنیا میں آکر کفر وشرک، جہالت و غباوت کی تیرگی دور کر دی اور علم وبصیرت سے دنیا معمور ہو گئی لیکن وہ اپنے نسلی عناد وتعصب کی بنا پر آپ کی نبوت اور رسالت کا اقرار کرنے کے لیے تیار نہ ہو سکے اور قرآن کو وحیِ الٰہی تسلیم نہ کر سکے اور اس کے لیے عجیب وغریب اور مضحکہ خیز توجیہات کرتے تھے۔ ایک مشہور مستشرق درمنگھم لکھتا ہے:

"محمد (ﷺ) نے تجارت کے لیے جو ملک شام کا سفر کیا اس سلسلہ میں مدین کے دیہاتوں سے فیضان حاصل کیا اور ان سے اکتسابِ نور کیا اور مدینہ کے یہود و شام کے نصاریٰ سے علم وعرفان کی روشنی حاصل کی۔"

اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدنصیبوں کے دلوں میں کس درجہ بغض وحسد بھرا ہوا ہے۔ ان کی توجیہ کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی دعویٰ کرے کہ بجلی کی توانائی اور روشنی دیہاتیوں کے الاؤ سے مستفاد ہے، یا یہ کہا جائے کہ سورج چراغوں سے اکتسابِ نور کرتا ہے۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ اور قرآن کا نور اللہ تعالیٰ کے نور کا فیضان ہے۔ بوصیریؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

اَللّٰـــهُ اَكْبَـــرُ اِنَّ دِيْـــنَ مُـحَـمَّـدٍ
وَكِتَابَـــهٗ اَقْـوٰى وَاَقْـوَمُ قِيْلًا
لَا تَذْكُرُوْا الْكُتُبَ السَّوَالِفَ عِنْدَهٗ
طَلَعَ الصَّبَاحُ فَاَطْفَأَ الْقِنْدِيْلَا

ترجمہ: اللہ سب سے بڑا ہے۔ محمد ﷺ کا دین اللہ کی کتاب ٹھوس اور درست ترین بات ہے۔ گزشتہ کتب کا تذکرہ نہ کرو صبح طلوع ہو گئی ہے اور اس نے دوسرے چراغوں کو گل کر دیا ہے۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ خاتم النبیین ہیں اور قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے۔ اس کے بعد کوئی اور کتاب نازل ہونے والی نہیں ہے اور نہ کوئی دوسرا نبی مبعوث ہو سکتا ہے اس لیے

نزولِ قرآن کے بعد تمام اگلی شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ اب نجات کا ایک ہی راستہ دینِ اسلام ہے اور ایک ہی ہادی و رہنما خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ کی اطاعت و پیروی ہر ایک کے لیے لازمی ہے۔ اللہ کے رسول کا واشگاف انداز میں اعلان ہے:

لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَا يَسَعُهٗ اِلَّا اِتِّبَاعِيْ.	(کسی اور کا کیا ذکر) اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی ضروری تھا کہ میری اطاعت و پیروی کریں۔

آپ ہمیشہ کے لیے نبی ہیں اور سارے جہاں کے لیے رسول ہیں۔ آپ کی رسالت کسی ایک ملک اور قوم کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا. (الاعراف:۱۵۸)	آپ کہہ دیجیے کہ اے دنیا کے تمام انسانو! میں تم سب کی جانب اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا. (سبا:۲۸)	ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے جنت کی خوشخبری دینے والا اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

قدرتی بات ہے کہ جب آپ ساری دنیا کے لیے آخری رسول ہیں تو آپ کا دین تمام ادیان سے زیادہ کامل و جامع ہونا چاہیے۔ اس کے کسی گوشے میں کسی کمی کا کوئی امکان نہیں ہوسکتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ خود اپنے دین کے بارے میں فرماتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (المائدہ: ۳)	آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کیا۔

یعنی اب کوئی نیا دین نہیں آئے گا:

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ. (آل عمران: ۸۵)	جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔

یہ آیاتِ کریمہ آپ کے خاتم الانبیاء ہونے کی واضح دلیلیں ہیں۔ قرآن نے آپ کی خاتمیت کا صراحۃً ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہے:

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ. (الاحزاب: ۴۰)	محمد (ﷺ) تم میں کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن وہ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں۔

اللہ کے رسول کا ارشاد ہے لانبی بعدی یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ یعنی میں اللہ کا آخری نبی ہوں، میرے بعد جو بھی دعوائے نبوت کرے گا وہ کذاب ودجال ہوگا۔ آپ عالمِ ارواح میں اول نبی ہیں۔ صحیح حدیث ہے:

کنت نبیاً و آدم بین الروح والجسد.	میں اس وقت نبی تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسدِ خاکی میں روح بھی پھونکی نہیں گئی تھی۔

آپ عالمِ ملکوت میں اول نبی ہیں اور عالمِ ظہور میں سب سے آخری نبی۔ آپ کی یہ عظیم فضیلت ہے کہ تخلیقِ آدم سے پہلے عالمِ ارواح میں آپ نبوت کے عظیم منصب پر فائز تھے۔ لیکن اگر ذرا گہرائی کے ساتھ غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اس دنیا میں سب سے آخر میں مبعوث ہونا آپ کی عظیم تر فضیلت ہے۔ آپ کے بعد سلسلۂ وحی وتنزیل کے منقطع ہونے کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت قیامت تک کے لیے نافذ العمل ہے۔ خاتم الانبیاء ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا جامع اور کامل دین عطا کیا کہ دنیا کے حالات میں چاہے کیسی بھی تدیلیاں کیوں نہ واقع ہو جائیں۔ مگر اسلام میں ہر الجھن کا حل ، ہر درد کا درماں، ہر دکھ کا علاج اور ہر منزل کے لیے رہنمائی ہے۔

امریکہ اور یورپ میں اہلِ دانش کا وہ طبقہ جو قرآن کا گہرائی کے ساتھ تحقیقِ حق کے لیے مطالعہ کرتا ہے، اس پر بہت جلد یہ حقیقت منکشف ہوجاتی ہے کہ قرآن میں زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ یہ کسی انسان کی لکھی ہوئی کتاب نہیں ہوسکتی بلکہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے اور اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے:

هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ. (البقرۃ:۱۸۵)

جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں حق وباطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں۔

جیسا کہ میں پہلے قرآن کی شہادت پیش کر چکا ہوں کہ اہلِ کتاب آپ کو پہچانتے ہیں کہ آپ ہی وہ نبیِ موعود ہیں جن کی بشارت حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام اور دوسرے انبیاء کرام نے دی ہے۔ اہلِ کتاب کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ. (البقرۃ:۱۴۶--الانعام:۲۰)

آپ کو اہلِ کتاب اسی طرح بلا شک وشبہہ پہچانتے ہیں جس طرح اپنے لڑکوں کو۔

وہ انکار محض نسلی تعصب کی بنا پر کر رہے تھے۔ خوش نصیب تھے وہ اہلِ کتاب جو آپ پر ایمان لائے اور جنھوں نے آپ کا اتباع کیا۔ ان کے بارے میں قرآن کی یہ آیت ملاحظہ کیجیے:

اَلَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِىَّ الۡاُمِّىَّ الَّذِىۡ يَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ يَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهٰٮهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ. (الاعراف:۱۵۷)

جو لوگ اس رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں، جس کو وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ رسول ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔

اے اہلِ کتاب! تم قرآن کو نہیں مانتے، نہ مانو، یہ تمھاری بدنصیبی ہے۔ اپنی کتابوں پر تو صدقِ دل سے ایمان لاؤ۔ ع: تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

اور جہاں تم اپنی کتابوں کے غیر محرف حصوں پر ایمان لائے پھر تمھیں قرآن کی صداقت میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ اگر چہ مروجہ اناجیلِ اربعہ، جن کے مرتبین کے نام یہ ہیں۔ مرقس، لوقا، متّی، یوحنا ان میں اس درجہ تحریفات ہو چکی ہیں کہ کسی قاری کے لیے یہ سمجھنا آسان نہیں ہے کہ ان میں کون سا حصہ کلامِ الٰہی ہے۔ ڈاکٹر موریس بکائے نے اپنی کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" میں اس پر بڑی محققانہ بحث کی ہے۔ تفصیلی معلومات کے لیے اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ بہر حال ان تمام تحریفات کے باوجود پیغمبرِ آخر الزماں ﷺ کی بشارت کے حصے کو اہلِ کلیسا مکمل طور پر ختم نہ کر سکے۔ یہاں میں حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے حواریوں کے ساتھ مکالمہ کو نقل کر رہا ہوں، جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ خاتم النبیین کے

بارے میں آپ کی بشارت کو کس طرح مسخ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن حقیقت عیاں ہو کر رہی۔

یوحنا، انجیل کے واحد مرتب ہیں جنھوں نے آخری مکالمے کا ذکر کیا ہے۔ مرقس، لوقا متّی کی اناجیل سے آخری مکالمے کا ذکر غائب ہے۔ ان اناجیل میں اس بیان کی عدم موجودگی کی کیا تشریح کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک سوالیہ نشان ہے۔ اب میں مکالمہ کے کچھ اقتباسات نقل کر رہا ہوں، توجہ کے ساتھ پڑھیے! حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا فارقلید (مددگار) بخشے گا۔'' (آیت: ۱۴تا۱۶)

یوحنا کی انجیل کا موجودہ متن فارقلید کا مطلب حسب ذیل بیان کرتا ہے:

''مددگار، یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمھیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب یاد دلائے گا۔'' (آیت: ۱۴-۲۶)

''وہ میری گواہی دے گا۔'' (آیت: ۱۵-۲۶)

''اور وہ یعنی روح القدس تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا، لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ اور میرا جلال ظاہر کرے گا۔'' (آیت ۱۲-۱۴)

یونانی زبان میں فارقلید کا معنی شافع، ناصر یا محافظ ہے۔ یسوع پیشین گوئی کرتے ہیں کہ:

''روح القدس کو باپ بیٹا دونوں بھیجیں گے۔ اس کا کام یہ ہوگا کہ یسوع کی جگہ لے، اس کا کردار پیراکلیٹ (فارقلید) یا شافعِ مطلق ہوگا۔''

ڈاکٹر بکائے لکھتے ہیں کہ بنیادی طور پر یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ مذکورہ بالا پیراگراف کو روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) سے منسوب کیا جائے، کیوں کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا، جو سنے گا وہی کہے گا اور آئندہ کی خبریں دے گا۔ یہ بات ناقابلِ تصور معلوم

ہوتی ہے کہ کوئی شخص یہ امر روح القدس سے منسوب کرے۔ اس مسئلے کا صحیح تصور حاصل کرنے کے لیے اصل یونانی متن کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ یہ اس لیے خصوصیت کے ساتھ ضروری ہے کہ یوحنا سب کچھ یونانی زبان میں لکھتے تھے۔

آگے لکھتے ہیں کہ یوحنا کے یونانی متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیراکلیٹ (فارقلیط) یسوع کے مانند ایک بشر ہوگا جو سماعت ونطق کی صلاحیت رکھتا ہوگا۔ یوحنا کے یونانی متن کے مطابق یسوع پیشین گوئی کرتے ہیں کہ:

> ''میرے بعد خداوند ایک فردِ بشر کو کرۂ ارض پر بھیجے گا، یعنی وہ ایک پیغمبر ہوگا جو خدا کا کلام سنتا ہے اور اس کا پیغام بنی نوع انسان کو پہنچاتا ہے۔''

یوحنا کی انجیل میں درج بالا پیشین گوئی کا یہی مفہوم ہے جس پر بالآخر انسان پہنچ جاتا ہے۔ یہ بکائے کی تحریر کا خلاصہ ہے۔

اب ان صفات پر غور کیجیے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد میں آنے والے فارقلیط کے بارے میں بتا رہے ہیں:

> ''وہ تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا لیکن جو سنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا اجلال ظاہر کرے گا۔''

کیا ان صفات کا خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی دوسرا مصداق ہو سکتا ہے؟ آپ کے سوا کس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگیِ پاک کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کی؟ جو سنے گا وہی کہے گا، کس کی شان ہے؟

وما ینطق و عن الھوٰی ان	وہ رسول اپنی طرف سے کچھ نہیں بولتا۔ وہ
ھو الا وحی یوحٰی۔	تو وحی ہے جو اس کی طرف اتاری گئی ہے۔

بلاشبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آخری مکالمہ میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کی بعثت کا صاف صاف بیان ہے۔ اس مسئلہ پر بحث کے دوران میرے ذہن میں ایک اور سوال ابھرا۔ وہ یہ ہے کہ موجودہ متن کے مطابق اگر حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد آنے والے فارقلید سے مراد روح القدس یعنی جبرئیل امین علیہ السلام ہیں تو دو ہزار برس سے زیادہ زمانہ گزر گیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام فارقلید کی حیثیت سے کیوں نہیں آئے؟ یہ ایک سوال ہے جس پر مسیحی دنیا کو غور کرنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد آنے والا فارقلید شافع و مددگار آیا اور دنیا کو عدل و انصاف اور خیر و برکت سے معمور کر گیا۔ وہ یقیناً پیغمبرِ آخر الزماں خاتم الانبیاء ﷺ کی ذاتِ مقدسہ ہے۔

ڈاکٹر موریس بکائے اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں کہ اہلِ کلیسا کو اس تحریف کی کیا ضرورت محسوس ہوئی کہ پیشین گوئی میں روح القدس کا اضافہ کر دیا۔ وہ کہتے ہیں، چونکہ اس پیشین گوئی سے حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ایک اور پیغمبر کے آنے کا ثبوت ہوتا تھا اور اہلِ کلیسا نے اپنی تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ لوگوں کو باور کرایا تھا کہ حضرت یسوع اللہ کے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اس لیے گرجاؤں نے اپنی بچت کے لیے روح القدس کا اضافہ کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مناصبِ عالیہ میں نبیِ آخر الزماں کی بشارت بھی ہے۔ ہر چند کہ کلیسا کی دست برد کے نتیجہ میں مروجہ اناجیل میں کافی تبدیلیاں ہو چکی ہیں پھر بھی پر خلوص تحقیق کرنے والے حقیقت تک ضرور پہنچ جاتے ہیں جیسا کہ آپ کو ڈاکٹر موریس بکائے کی فاضلانہ تحقیق سے اچھی طرح سے اندازہ ہو گیا ہوگا۔

مسیحی دنیا کو اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیغمبرِ آخر الزماں ﷺ کی بشارت دی ہے۔ آپ کے مناصبِ رفیعہ میں یہ منصب خصوصیت کا حامل ہے کہ آپ نبیِ کریم ﷺ کے مبشر تھے۔ جیسا کہ قرآن کی اس آیت سے واضح ہوتا ہے:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ	اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا: اے
يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ	(میری قوم)!بنی اسرائیل میں تم سب کی
رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا	طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی
لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ	کتاب توراۃ کی میں تصدیق کرنے والا
وَمُبَشِّرًا ۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ	ہوں اور اپنے بعد آنے والے ایک
مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ	رسول کی میں تمھیں خوش خبری سنانے والا
فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ	ہوں پھر جب وہ ان کے پاس کھلی
قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ.	دلیلیں لائے تو یہ کہنے لگے یہ تو کھلا جادو
(الصف:٦)	اور دھوکا ہے۔

یوحنا کی انجیل میں پیراکلیٹ ہے (فارقلیط)۔ لیکن اس وقت فلسطین کی زبان سریانی تھی۔ ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اسی میں گفتگو فرماتے ہوں گے۔ اس لیے مکالمہ میں لامحالہ کوئی سریانی لفظ رہا ہوگا۔ وہ سریانی لفظ ابن ہشام کی سیرت میں مل جاتا ہے۔ محمد ابن اسحٰق کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس میں پیراکلیٹ کے بجائے سریانی زبان کا لفظ مُنْحَمَنًا استعمال کیا گیا ہے۔ ابنِ اسحٰق اور ابنِ ہشام نے اس کی تشریح کی ہے کہ مُنْحَمَنَا کے معنی سریانی میں ''محمد'' اور یونانی میں ''برقلیطس'' ہے۔ (ابن ہشام: ص: ۲۴۸)

تو اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور کا نامِ مبارک لے کر آپ ہی کے آنے کی بشارت دی تھی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یوحنا کی یونانی انجیل میں دراصل لفظ (Periclytos) استعمال ہوا تھا، جسے عیسائی حضرات نے بعد میں کسی وقت (Parasletus) سے بدل دیا۔ اس سے بھی قدیم شہادت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت

ہے کہ جب مہاجرین کو نجاشی نے اپنے دربار میں بلایا اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سنیں تو اس نے کہا:

مرحبا بکم و بمن جئتم	یعنی مرحبا تم کو اور اس ہستی کو جس کے
من عنده اشهد انه	ہاں سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا
رسول الله و انه الذی	ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ
نجد فی الانجیل و انه	وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے
الذی بشر به عیسیٰ بن	ہیں۔ اور وہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ
مریم (مسند ابن حنبل)	ابن مریم نے دی تھی۔

یہ واقعہ احادیث میں خود حضرت جعفر اور حضرت ام سلمہ سے منقول ہوا ہے۔ (از: تفہیم القرآن)

اناجیل اربعہ کے مرتبین میں کوئی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحابی نہیں ہے اور نہ کسی نے دعوٰی کیا کہ اس نے آپ کے کسی صحابی سے روایت کی ہے۔ لیکن انجیل برناباس کا مرتب کہتا ہے کہ میں حضرت کے اولین حواریوں میں سے ایک ہوں اور شروع سے آخر تک مسیح کے ساتھ رہا ہوں۔ کتاب کے آخر میں وہ لکھتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے رخصت ہوتے وقت مجھ سے فرمایا کہ میرے متعلق جو غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں ان کو دور کرنا اور صحیح حالات دنیا کے سامنے لانا تیری ذمہ داری ہے۔ (تفہیم القرآن)

عیسائی دنیا انجیل برناباس سے اس لیے ناراض نہیں ہے کہ اس میں جگہ جگہ نبی کریم ﷺ کی بشارت ہے کیوں کہ وہ نزول قرآن سے ایک سو پندرہ برس پہلے غیر قانونی قرار دے دی گئی تھی۔ اس کی وجہ سمجھنے کے لیے تھوڑی تفصیل درکار ہے۔

سینٹ پال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں آپ کا سخت دشمن تھا اور آپ کے

بعد وہ آپ کے متبعین کا دشمن رہا بعد میں وہ عیسائی مذہب میں داخل ہوا اور اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے لائے ہوئے مذہب کے برخلاف بالکل ایک نیا دین پیش کر دیا۔ اس نے اعلان کیا کہ عیسائی شریعت یہودی مذہب کی تمام پابندیوں سے آزاد ہے۔ اس نے کھانے پینے میں حلال وحرام کی تمام پابندیاں ختم کر دیں۔ اس نے ختنہ کے حکم کو بھی منسوخ کر دیا۔ اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت اور آپ کے ابنِ خدا ہونے کا عقیدہ پیش کیا۔ اس نے یہ عقیدہ بھی پھیلایا کہ آپ نے صلیب پر چڑھ کر اولادِ آدم کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ ابتداء سچے عیسائیوں نے اس کی مزاحمت کی لیکن اس کے بعد غیر یہودی، عیسائیوں کا ایک سیلاب امڈ پڑا، تھوڑے سے عیسائیوں کے لیے مزاحمت دشوار ہوگئی۔ تاہم تیسری صدی کے اختتام تک بکثرت ایسے عیسائی موجود تھے، جو حضرت مسیح کی الوہیت سے انکار کر رہے تھے لیکن ۳۲۵ء نیقیہ (Nicaea) نے پولوسی عقائد کو قطعی طور پر مسلم مذہب قرار دے دیا۔ رومی سلطنت خود عیسائی ہوگئی۔ قیصر تھیوڈوسیس کے زمانے میں یہی سرکاری مذہب بن گیا۔ پھر وہ تمام کتابیں جو اس عقیدے کے خلاف تھیں انھیں غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔

اور پھر پانچویں صدی کے آخر میں پوپ گلاسیس (Gelasius) نے اس مجموعہ کو مُسلَّم قرار دینے کے ساتھ ساتھ ان کتابوں کی فہرست مرتب کر دی جو غیر مسلم تھیں۔ انجیل برناباس ان غیر مسلم کتابوں میں اس لیے شامل کی گئی کہ وہ مسیحیت کے اس سرکاری عقیدہ کے بالکل خلاف تھی۔ اس کا مصنف کتاب کے آغاز ہی میں اپنا مقصد تصنیف بیان کرتا ہے کہ ان لوگوں کے خیالات کی اصلاح کی جائے جو شیطان کے دھوکے میں آکر یسوع کو ابن اللہ قرار دیتے ہیں؛ اور ختنہ کو غیر ضروری ٹھہراتے ہیں، اور حرام

کھانوں کو حلال کر دیتے ہیں۔ جن میں ایک دھوکہ کھانے والا پولوس بھی ہے۔ (از تفہیم القرآن)

یہ بات بالکل درست اور واضح ہے کہ انجیل برنا باس سے برہمی کی وجہ یہی تھی کہ اس سے عیسائیوں کے باطل عقائد پر ضرب پڑتی تھی۔ سینٹ پال کے خود ساختہ مذہب کی مکمل طور پر بیخ کنی ہوتی تھی۔ لیکن نبیِ کریم ﷺ کے بعد ان کی دشمنی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ انجیل برنا باس میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے میں بڑی واضح اور بکثرت پیشین گوئیاں موجود ہیں۔

اب میں تفہیم القرآن کے حوالے سے چند پیشینگوئیاں نقل کر رہا ہوں:

(۱) تمام انبیا جن کو خدا نے دنیا میں بھیجا، جن کی تعداد ایک لاکھ ۴۴ ہزار تھی، انھوں نے ابہام کے ساتھ بات کی۔ مگر میرے بعد تمام انبیاء اور مقدس ہستیوں کا نور آئے گا جو انبیا کی کہی ہوئی باتوں کے اندھیرے پر روشنی ڈال دے گا۔ کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے۔ (باب ۷)

یعنی انبیاءِ سابقین نے وقت اور حالات کے مطابق جو باتیں مجازات کے پردے میں کہی تھیں میرے بعد آنے والا رسول مجاز کے پردے کو ہٹا کر حقیقت کو سب کے سامنے رکھ دے گا تاکہ کوئی ابہام باقی نہ رہ جائے۔

(۲) بالیقین میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر نبی جو آیا ہے وہ صرف ایک قوم کے لیے خدا کی رحمت کا نشان بنکر پیدا ہوا ہے۔ اس وجہ سے ان انبیا کی باتیں ان لوگوں کے سوا کہیں اور نہیں پھیلیں جن کے طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ مگر خدا کا رسول جب آئے گا تو گویا خدا اس کو اپنے ہاتھ کی مہر دے گا۔ وہ بے خدا لوگوں پر اقتدار لے کر آئے گا اور بت پرستی کا ایسا قلع قمع کرے گا کہ شیطان پریشان ہو جائے گا۔ اس کے شاگردوں کے ساتھ ایک طویل مکالمے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تصریح کرتے ہیں کہ وہ بنی اسمٰعیل میں

سے ہوگا۔ (باب:۴۳)

(۳) اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول وہ رونق ہے جس سے خدا کی پیدا کی ہوئی قریب قریب تمام چیزوں کو خوشی نصیب ہوگی کیوں کہ وہ فہم اور نصیحت، حکمت اور طاقت، خشیت اور محبت، حزم اور ورع کی روح سے آراستہ ہے۔ وہ فیاضی اور رحمت، عدل اور تقویٰ، شرافت اور صبر کی روح سے مزین ہے۔ جو اس نے خدا سے ان تمام چیزوں کی بہ نسبت تین گنی پائی ہے جنھیں خدا نے اپنی مخلوق میں سے یہ روح بخشی ہے۔ کیسا مبارک وقت ہوگا جب وہ دنیا میں آئے گا۔ یقین جانو! میں نے اسکو دیکھا ہے اور اسکی تعظیم کی ہے جس طرح ہر نبی نے اس کو دیکھا ہے تو میری روح سکینت سے بھر گئی، یہ کہتے ہوئے کہ اے محمد (ﷺ) خدا تمھارے ساتھ ہو اور وہ مجھے تمھاری جوتی کے تسمے باندھنے کے قابل بنادے۔ کیوں کہ یہ مرتبہ بھی پالوں تو میں ایک بڑا نبی اور خدا کی ایک مقدس ہستی ہو جاؤں گا۔
(باب:۴۴)

(۴) - (یسوع نے سردار کاہن سے کہا) زندہ خدا کی قسم جس کے حضور میری جان حاضر ہے، میں وہ مسیح نہیں ہوں جس کی آمد کا تمام دنیا کی قومیں انتظار کر رہی ہیں جس کا وعدہ خدا نے ہمارے باپ ابراھیم سے یہ کہہ کر کیا تھا، ''تیری نسل کے وسیلہ سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی'' (پیدائش ۲۲:۱۸) مگر جب خدا مجھے دنیا سے لے جائے گا تو شیطان پھر یہ بغاوت برپا کرے گا کہ ناپرہیزگار لوگ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا مانیں۔ اس کی وجہ سے میری باتوں اور تعلیمات کو مسخ کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ بمشکل تیس (۳۰) صاحب ایمان باقی رہ جائیں گے۔ اس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنا رسول بھیجے گا جس کے لیے اس نے دنیا کی یہ ساری چیزیں بنائی ہیں، جو قوت کے ساتھ جنوب سے آئے گا اور بتوں کو بت پرستوں کے ساتھ برباد کردے گا۔ شیطان سے وہ اقتدار چھین لے گا جو

جو اس نے انسانوں پر حاصل کیا ہے۔ وہ خدا کی رحمت ان لوگوں کی نجات کے لیے اپنے ساتھ لائے گا، جو اس پر ایمان لائیں گے، اور مبارک ہے وہ جو اس کی باتوں کو مانے۔ (باب:۹۶)

(۵) سردار کاہن نے پوچھا کہ وہ مسیح کس نام سے پکارا جائے گا اور کیا نشانیاں اس کی آمد کو ظاہر کریں گی؟ یسوع نے جواب دیا: اس مسیح کا نام ''قابلِ تعریف'' ہے، کیوں کہ خدا نے جب اس کی روح پیدا کی تھی اس وقت اس کا نام خود رکھا تھا اور وہاں اسے ایک ملکوتی شان میں رکھا گیا تھا۔ خدا نے کہا، ''اے محمد (ﷺ) انتظار کر کیوں کہ تیری ہی خاطر میں جنت، دنیا اور بہت سی مخلوق پیدا کروں گا اور اس کو تجھے تحفہ کے طور پر دوں گا۔ یہاں تک کہ جو تیری تبریک کرے گا اسے برکت دی جائے گی اور جو تجھ پر لعنت کرے گا اس پر لعنت کی جائے گی۔ جب میں تجھے دنیا کی طرف بھیجوں گا تو میں تجھ کو اپنے پیغمبر نجات کی حیثیت سے بھیجوں گا۔ تیری بات سچی ہوگی۔ یہاں تک کہ زمین آسمان ٹل جائیں گے مگر تیرا دین نہیں ملے گا۔'' سو اس کا نام محمد ہے۔ (ﷺ) (باب:۹۷)

(۶) سردار کاہن نے پوچھا، کیا خدا کے اس رسول کے بعد دوسرے نبی بھی آئیں گے؟ یسوع نے جواب دیا، ''اس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبی نہیں آئیں گے مگر بہت سے جھوٹے نبی آجائیں گے جن کا مجھے بڑا غم ہے، کیوں کہ شیطان خدا کے عادلانہ فیصلہ کی مخالفت میں ان کو اٹھائے گا اور وہ میری انجیل کے پردے میں اپنے آپ کو چھپائیں گے۔''

(باب:۹۷---تفہیم القرآن)

آپ پڑھ چکے ہیں کہ نزولِ قرآن سے ایک سو پندرہ برس قبل انجیل برناباس کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا تھا، اس لیے اس کی تصنیف میں مسلمانوں کے دخل کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بعثتِ نبوی سے صدیوں پہلے برناباس نے یہ کتاب لکھی ہے جس میں پیغمبرِ اسلام خاتم النبیین محمد

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں ہیں۔اس میں سے میں نے چند پیشین گوئیاں نقل کی ہیں۔اگر عیسائی حقیقتاً حضرت مسیح علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں تو انھیں انجیل برناباس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب کے صحیح خدوخال موجود ہیں۔سینٹ پال نے حضرت مسیح کے مذہب کے برخلاف ایک نیا مذہب پیش کیا تھا،جس کو اس زمانے میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔کیوں کہ سنیٹ پال کا مقصد تھا کہ غیر یہودی قوموں میں یہ مذہب قبولِ عام حاصل کرے۔اس کے لیے اس نے عیسائی مذہب میں ایسی ترمیمات کردیں جو مشرک قوموں اور یورپ کے آزاد معاشرے کے لیے باعثِ کشش ہوں۔چنانچہ اس نے پتھر کے بتوں کی جگہ حضرت عیسیٰ و مریم علیہما السلام کی تصاویر اور صلیب کی پرستش کا حکم دیا اور سب سے بڑھ کر باعثِ کشش کفارے کا عقیدہ تھا کفارے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سولی پر چڑھ کر تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ ادا کردیا۔اب جو بھی عیسائی مذہب اختیار کرے گا وہ محاسبۂ آخرت سے آزاد ہوگا۔قیامت میں اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔

یورپ کی عادت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سینٹ پال نے خنزیر اور شراب کو حلال قرار دے دیا۔اس کا نتیجہ تھا کہ عیسائی مذہب قبول کرنے والوں کا سیلاب اُمڈ پڑا۔غور کیجیے!یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس معلمِ اخلاق کی بعثت کا خاص مقصد یہودیوں کے بگڑے ہوئے اخلاق درست کرنا تھا،اسی برگزیدہ رسول کے نام پر موجودہ عیسائیت نے تمام اخلاقی قیود کا خاتمہ کردیا۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین کے درمیان صرف خاتم الانبیاء محمد عربی ﷺ کی ایک ذات مقدسہ ایسی ہے کہ جن کی بشارت تمام اقوام و ملل کی مذہبی کتابوں میں مذکور ہے۔ایسا کیوں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ سے پہلے تمام انبیاء مخصوص قوموں اور محدود وقت کے لیے مبعوث

کیے گئے تھے لیکن پیغمبرِ آخرالزماں ﷺ کی بعثت تمام اقوامِ عالم کے لیے ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔اس لیے ضروری تھا کہ ہر قوم کو آگاہ کر دیا جائے تا کہ کوئی یہ عذر نہ کر سکے کہ ہمیں کوئی خبر نہیں تھی۔

عیسائی مذہب کی کتابوں میں نبیِ کریم ﷺ کی بشارت آپ نے پڑھ لی۔اب میں ہندو دھرم کی بنیادی مذہبی کتابوں سے چند پیشن گوئیاں لکھ رہا ہوں۔

آپ کی بشارت ہندو دھرم اور بدھ مت میں

ہندو دھرم میں وید سب سے اہم اور بنیادی کتاب ہے۔وید چار ہیں:

(۱) رگ وید۔(۲) یجر وید۔(۳) اتھر وید۔(۴) سام وید۔

(۱) اتھر وید میں لکھا ہے کہ لوگو سنو! نراشنس کی تعریف کی جائے گی۔(اتھر وید:۲۰-۱۲۷-۱)

نراشنس دو الفاظ سے مرکب ہے۔نر معنی مرد اور آشنس معنی تعریف کیا گیا۔یعنی وہ انسان جس کی تعریف کی گئی ہو۔محمد کا معنی بھی یہی ہے۔نر لفظ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آنے والا انسان ہوگا،کوئی دیوتا نہیں ہوگا۔تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جتنی تعریف آپ کی کی گئی ہے اتنی کسی کی بھی نہیں کی گئی۔اپنے،غیر،دوست،دشمن-سب آپ کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ سواری کے لیے اونٹ کا استعمال کرنے والا۔(اتھر وید:۲-۱۲۷-۲۰)

آپ اونٹ پر سواری کرتے تھے۔آپ کے پاس ایک اونٹنی تھی جس کا نام قصویٰ تھا۔اسی پر آپ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تھی۔

(۲) رگ وید میں نراشنس (محمد) کو حسین و جمیل اور گھر گھر اجالا پھیلانے والا کہا گیا ہے۔ (رگ وید:۳-۳-۲۱)

حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور کو دیکھ رہا تھا۔کبھی چاند کو

دیکھتا اور کبھی آپ کو۔ بالآخر اس فیصلہ پر پہنچا کہ حضور اکرم ﷺ چاند سے زیادہ حسین ہیں۔

کعب بن مالک کہتے ہیں کہ خوشی میں آپ کا چہرہ ایسا چمکتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔ اور جہاں تک گھر گھر اجالا پھیلانے کا سوال ہے تو اس صفت میں کوئی آپ کا ثانی نہیں ہے۔ آپ ہی نے توحیدِ خالص کا اجالا گھر گھر پھیلایا۔ لوگوں کے دلوں کی دنیا روشن کی۔

(۳) سام وید میں آپ کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ وہ ہر مقدس کا مربی، نہایت تعریف کیا گیا ''اندر'' قلعوں کا توڑنے والا، جوان، عقیل، بے اندازہ قوت پیدا کیا گیا۔ تو نے پتھر رکھنے والے گڑھے کو پھاڑا۔

سام وید میں سب سے پہلی بات یہ بتائی گئی ہے کہ وہ ہر مقدس کا مربی ہے۔ آنحضرت کے آنے سے پہلے دنیا میں جو غلط عقائد اور اعمال پھیلے ہوئے تھے، ان سب کو مٹانے والے آپ ہی ہیں (ﷺ) آپ ہی نے شرک کو مٹایا اور توحیدِ خالص کی تعلیم دی۔ لوگوں کو تمام برائیوں سے روکا اور بھلائیوں کا حکم دیا اور خود انھیں تعلیمات پر اپنی ساری زندگی گزار دی۔

دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ وہ رعد والا ہوگا۔ یعنی وہ ایسا بارعب ہوگا کہ جس کی ہیبت بجلی کی طرح دور دور تک پھیلی ہوگی اور لوگوں کے دل اس سے مرعوب ہوں گے۔ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ اکیلے مکہ اور اس کے اطراف میں توحید کی دعوت دیتے تھے۔ بت پرستی سے روکتے تھے لیکن دیوتاؤں کے پرستاروں کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ آپ پر حملہ کرسکیں۔ ہجرت کی رات آپ کے دشمنوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تھا لیکن ایک بند دروازہ توڑ کر اندر گھسنے کی ہمت نہ کرسکے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ آپ کے سامنے اگر کوئی یکایک آجاتا تو ہیبت زدہ رہ جاتا۔ یہ تو نزدیک کی بات تھی۔ دور بیٹھے ہوئے لوگوں کے دلوں پر بھی آپ کا رعب چھایا ہوا تھا۔ یمن جو آپ کے زمانے میں ایران کے قبضہ میں تھا۔ ایران کی ماتحتی سے انکار کردیتا ہے اور اسلام کے سائے

میں آجاتا ہے۔مگر ایران کا بادشاہ یمن پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔

دوسرا واقعہ شمالی عرب کا ہے۔ جو روم کے قبضہ سے الگ ہو جاتا ہے۔روم کا بادشاہ جنگ کی تیاریاں شروع کر دیتا ہے۔لیکن جب اس کو معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ شمالی عرب کی مدافعت کے لیے تبوک تک پہنچ گئے ہیں تو روم کے بادشاہ کی ہمت جواب دیدیتی ہے اور جنگ کی منسوخی کا حکم دے دیتا ہے۔اسی تناظر میں آپ کی ایک حدیث ملاحظہ کیجیے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں---

(الف) ایک مہینہ کی مسافت کی (دوری) تک رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی۔(ب) زمین (مٹی) میرے لیے مَسْجِد اور پاکی کا ذریعہ بنائی گئی۔تو جس شخص کو نماز پالے یعنی نماز کا وقت آجائے اور پانی میسر نہ ہو تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے۔(ج) میرے لیے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا ہے (د) اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔(ہ) اور اگلے زمانوں میں ہر نبی اپنی خاص قوم میں مبعوث ہوتا تھا اور مجھے تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔(متفق علیہ:باب التعلیم)

(۴) ہندوؤں کی ایک مذہبی کتاب اپنشد بھی ہے جو کہ وید ہی کا ایک حصہ ہے۔اس میں لکھا ہے، "کہہ دے: لا الٰہ الا اللہ۔ اللہ ازل سے ہے اور وہ رب العلمین ہے۔ وہ تمام برائیوں اور مصیبتوں کا دور کرنے والا ہے اور محمد (ﷺ) اللہ کا رسول ہے۔ پس اعلان کرو اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ناگیندر ناتھ واسو نے وشو کوش Incyclopedia of India voll.ii میں لکھا ہے کہ اس اپنشد میں اللہ کی اِس توحید اور صفات کا ذکر دوبار کیا گیا ہے، ساتھ ہی محمد کی رسالت کا ذکر ہے جس پر کسی عاقل اور مذہبی انسان کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔

(۵) ویدوں کے علاوہ پُرانوں میں بھی آپ کے بارے میں بہت واضح پیشن گوئیاں کی گئی ہیں۔ بھاگوت پُران کے چوبیس اوتاروں میں تیئیس اوتار تو آچکے ہیں۔ چوبیسواں اور آخری اوتار جس کو آنا ہے اس کو کلکی اوتار کہتے ہیں۔ کلکی اوتار کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سب آنحضرت ﷺ پر صادق آتا ہے۔ کلکی اوتار کا جنم شمبھل (امن کی جگہ — بلد الامین یعنی مکہ) میں اور وہاں کے خاص متولی (پروہت) وشنو یشا (وشنو = اللہ + یشا = عبد) یعنی عبد اللہ کے یہاں ہوگا۔ (بھاگوت پُران ۱۲-۲-۱۸)۔ ماں کا نام سومتی (امن والی = یعنی آمنہ) ———— (کلکی پُران ادھیائے -۲، اشلوک -۱۱) کلکی اوتار کی پیدائش بیساکھ کے مہینے میں بارہ تاریخ کو ہوگی۔ (ادھیائے -۲، اشلوک -۱۰) آنحضرت ﷺ کی پیدائش بھی بارہ ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ حسن و وجاہت میں کلکی اوتار بے مثال ہوں گے۔ کلکی اوتار کا جسم نہایت معطر ہوگا۔ (بھاگوت پُران ۱۲-۲-۲۰ اور ۲۱) حضور (ﷺ) کا چہرہ چودہویں رات کے چاند سے بھی زیادہ خوبصورت تھا۔ عبد اللہ بن سلام جو ایک یہودی عالم تھے، آپ کو دیکھتے ہی پکار اٹھے کہ یہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ آپ کا جسم خوشبودار اور پسینہ بھی معطر تھا۔ وہ جگت گرو ہوگا، یعنی اس کی تعلیم دنیا کے سارے انسانوں کیلیے ہوگی۔ (بھاگوت پُران ۱۲-۲-۱۹)۔ آنحضرت ﷺ ساری دنیا کے لیے مبعوث ہوئے تھے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا.

آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (الاعراف: ۱۵۸)

ہندو دھرم کی کتابوں، وید، اپنشد میں حضور ﷺ کی بشارت کے سلسلہ میں بار بار اوتار کا لفظ آتا ہے۔ ان پیشین گوئیوں کے پڑھنے سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ لفظ اوتار پیغمبر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جس میں الوہیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اب میں ڈاکٹر وید پرکاش اپادھیائے کی کتاب "کلکی اوتار اور محمد صاحب" کے حوالے سے اوتار کے مفہوم کی وضاحت کر رہا ہوں۔

اوتار کا معنیٰ

کلمہٗ اوتار کا معنی ہے "زمین میں آنا" ایشور کے اوتار کا معنی ہے "سب کے پیغامبر"، عظیم شخص کا دنیا میں پیدا ہونا۔ (بحوالہ: بلکی اوتار اور محمد صاحب۔ ص: ۱۵)

آپ ﷺ کی بشارت بدھ مت میں

مہاتما بدھ نے اپنی موت سے پہلے اپنے شاگرد نندا سے کہا تھا کہ میں نہ پہلا بدھ ہوں نہ آخری، اپنے وقت پر ایک بدھ آئے گا، مقدس، منور القلب، عمل میں دانائی سے لبریز، تمام عالم اور انسانوں کا بے مثل رہنما، فرشتوں اور آدمیوں کا سردار، وہ تم پر وہی ابدی حقیقتیں ظاہر کرے گا جو میں ظاہر کرتا رہا ہوں۔ وہ ایسی مذہبی زندگی پیش کرے گا جس کی ابتدا بھی شاندار ہوگی اور انتہا بھی اور اس کی منزلِ مقصود بھی شاندار ہوگی۔ اس کے چیلے کئی ہزار ہوں گے جبکہ میرے چیلوں کی تعداد صرف چند سو ہے۔ (گاسپل آف بدھ: ص ۲۱۷-۲۱۸ بحوالہ: دعوت خاتم الانبیا نمبر) بدھ مت میں کافی پیشین گوئیاں ہیں لیکن اختصار کے خیال سے میں نے ایک ہی پیشین گوئی نقل کی ہے۔

کوئی سوچ سکتا ہے کہ تمام دنیا کے مذاہب میں خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں اتنی بشارتیں کیوں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے سوا کوئی بھی پوری دنیا کے لیے نبی و رسول بن کر نہیں آیا اور نہ ان کی شریعتیں ہمیشہ کے لیے تھیں۔ وہ صرف اپنی قوم کے ہادی بن کر مبعوث ہوئے تھے۔ اس لیے دوسری اقوام میں ان کا تعارف ضروری نہیں تھا۔ اس کے برعکس خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت تمام دنیا کے لیے تھی، اس لیے ضروری تھا کہ پوری دنیا کو بتا دیا جائے کہ آخری نجات دہندہ رسول دنیا میں آئے گا۔ اور دنیا کو عدل و انصاف، امن و سلامتی، نیکی اور پاکیزگی کا پیغام دے گا۔ یہ بشارت اس لیے ضروری تھی کہ بروزِ حشر کوئی یہ عذر نہ کر سکے کہ ہم بے خبر تھے۔

اسلام میں رسول کا تصور

اسلام میں تصورِ الٰہ اتنا بلند ہے کہ اس کے لیے حلول واتحاد، ولادت وقرابت اور ایسی کسی قسم کی کسی نسبت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لیے اسلام میں رسول نہ خدا کا اوتار ہو سکتا ہے کہ الوہیت وخدائی اس میں حلول کر سکے۔ جیسا کہ فرقۂ براہمہ کا عقیدہ ہے۔ اور نہ وہ ہیکلِ بشری میں خود جلوہ نما ہو سکتا ہے جیسا کہ موجودہ عیسائیت کا نقطۂ نظر ہے۔ اسلامی تصوران دونوں سے مختلف ہے۔ اسلام میں رسول وہ کامل ترین انسان ہوتا ہے جس پر اللہ اپنی وحی نازل فرماتا ہے اور وہ اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچاتا ہے۔ عام انسانوں پر اس کی فضیلت وبرتری اسی سے واضح ہوتی ہے کہ وہ خدائے ذوالجلا کا فرستادہ ہے اور وہ اس کی جانب سے ہدایت واصلاح کے منصب پر فائز کیا گیا ہے۔ رسول انسان ہوتا ہے، یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے رخصت کرتے وقت اولادِ آدم کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا۔ پڑھیے:

يٰبَنِىٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ
رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ
اٰيٰتِىْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ
فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ۔ (الاعراف:۳۵)

اے اولادِ آدم (یاد رکھو) اگر تمھارے پاس خود تمھیں میں سے رسول آئیں جو تمھیں میری آیات سنا رہے ہوں تو جو کوئی نافرمانی سے بچے گا اور اپنے اعمال کی اصلاح کرلے گا اس کے لیے کوئی خوف و رنج نہیں ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی دعاء میں بھی یہ حقیقت نمایاں ہے۔ آپ نے تعمیرِ کعبہ کے وقت دعاء کی تھی:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ	اے ہمارے رب ان میں انھیں
رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ	میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس
اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ	تیری آیتیں پڑھے، انھیں کتاب و
وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ اِنَّكَ	حکمت سکھائے اور انھیں پاک
اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ.	کرے، یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت
(البقرۃ:۱۲۹)	والا ہے۔

پھر جب دعائے خلیل کی قبولیت کا وقت آگیا اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں اپنا آخری رسول بھیج دیا تو ارشاد ہوا:

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ	بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا
اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ	احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک
اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ	رسول ان میں بھیجا اور جو انھیں پاک
وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ	کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا
الۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ	ہے۔ یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی
لَفِيۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ. (آل عمران:۱۶۴)	گمراہی میں تھے۔

اس آیتِ کریمہ میں اور باتوں کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ تین امور کو نمایاں کیا گیا ہے۔

(۱) بعثتِ رسول

(۲) پھر اس کے لیے سرزمینِ عرب کا انتخاب۔

(۳) اس رسول کا انسان ہونا۔

قرآن نے پیغمبر اسلام کی بشریت و عبدیت کا جس طرح صاف صاف اور قطعی

انداز میں ذکر کیا ہے وہ کسی تالئی قرآن پر مخفی نہیں ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اگلی امتوں کی ضلالت و گمراہی کا ہمیشہ کے لیے سدِ باب ہو جائے۔ آپ میں عبدیت کی جگہ معبودیت کے کسی وہم کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اسلام کے بنیادی کلمہ پر غور کیجیے: اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کلمہ کے ذریعہ بندہ جس طرح اللہ کی الوہیت و معبودیت کا اقرار کرتا ہے اسی طرح وہ پیغمبرِ اسلام کی عبدیت و بندگی اور آپ کی رسالت کا بھی اقرار کرتا ہے۔

جس طرح خدا کی الوہیت سے انکار کے بعد کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا اسی طرح آپ کی عبدیت و رسالت سے انکار کے بعد بھی کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ غور کیجیے۔ معراج جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے قربِ خاص سے نوازا جو کسی نبی و رسول کے مقدر میں نہیں تھا۔ اس کے بیان میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام صفات میں عبدیت ہی کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ	پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے کو
لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی	رات ہی رات میں مسجدِ حرام سے مسجد اقصا
الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا. (بنی اسرائیل:۱)	تک لے گیا۔

اسلامی نقطۂ نظر سے رسول انسانِ کامل ہوتا ہے جس پر وحی نازل کی جاتی ہے۔ وہ اپنی تمام عظمتوں اور مراتبِ قرب کے باوجود الوہیت کے تصور سے یکسر خالی ہوتا ہے۔

ہندو دھرم کی مذہبی کتابوں میں پیغمبرِ اسلام کے لیے 'اوتار' کا لفظ آیا ہے۔ اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان کتابوں میں اس کا استعمال پیغمبر کے معنی میں ہوا ہے۔ اس میں حلول و

بروز کا کوئی تصور نہیں ہے پھر بھی رسول کے لیے اوتار کے لفظ سے اجتناب کرنا چاہیے کیوں کہ بعد میں فرقۂ براہمہ نے یہ مفہوم عوام کے ذہنوں میں راسخ کر دیا ہے کہ اوتار وہ ہوتا ہے جس میں الوہیت و خدائی حلول کر جاتی ہے۔ اور اسی لیے مشرک قومیں جسے خدا کا اوتار سمجھتی ہیں اسے پرماتما کہتی ہیں اور اس کی عبادت کرتی ہیں۔ اب چوں کہ لفظ 'اوتار' سے لازماً یہی مفہوم متبادر ہوتا ہے۔ اس لیے اگر کسی مسلمان کو ہندی زبان میں بھی لکھنا ہو تو اسے اسلامی محاورے کے مطابق رسول کا لفظ لکھنا چاہیے۔ یہ لفظ اس درجہ آسان اور عام فہم ہے کہ اس کا صحیح مفہوم سمجھنے میں کسی کو کوئی الجھن نہیں ہو سکتی۔ مسلم، غیر مسلم سبھی اس کے معنی سے واقف ہیں اور اس لفظ سے آپ کی محبت و عظمت کے تقاضے بھی پورے ہو جاتے ہیں اور عبد و معبود کے درمیان کسی اشتباہ کا امکان بھی باقی نہیں رہ جاتا۔ اسی لیے تمام رسولوں نے اسی لفظ سے اپنا تعارف پیش کیا ہے۔ آخر میں تمام انبیاء و مرسلین سے افضل و برتر رسول کا تعارف بھی قرآن مجید نے اسی لفظ کے ذریعہ پیش کیا ہے۔

(۱) محمد رسول اللہ (ﷺ) اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔

(۲) وما محمد الا رسول: (ﷺ) اور محمد نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول۔

یعنی آپ میں الوہیت کا کوئی شائبہ تک نہیں۔ رسول کے لفظ سے قارئین و سامعین کے دلوں میں ادب واحترام، عشق و محبت، اطاعت و فرماں برداری، ایثار و فداکاری کے وہ تمام پاکیزہ جذبات امنڈنے لگتے ہیں جو اللہ کے مقدس رسول کے لیے ہونے چاہئیں۔

رسول کی اطاعت و فرمانبرداری، اس لیے فرض ہے کہ رسول اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتا وہ تو خدا کے حکم سے بندوں کو آگاہ کرتا ہے۔ رسول کی اطاعت حقیقت میں خدا کی اطاعت ہوتی ہے۔ ارشاد ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَا	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے
عَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا	اللہ کی اطاعت کی اور جو روگردانی
اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا.	کرے تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا
(النساء:۸۰)	کر نہیں بھیجا۔

یعنی اپنے عمل کے یہ خود ذمہ دار ہیں۔ان کے اعمال کی باز پرس آپ سے نہ ہوگی۔آپ کے سپرد جو کام کیا گیا ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ اللہ کے احکام و ہدایات ان تک پہنچا دیں۔ یہ کام آپ نے بخوبی انجام دے دیا ہے۔رسول دنیا میں اللہ کا خلیفہ و نائب ہوتا ہے اس لیے اس کے کسی فیصلے سے انحراف کی کسی کو نہ اجازت ہوسکتی ہے اور نہ ہی اپیل کی گنجائش۔ایک مومن کے لیے رسول کے فیصلے کو بلا چون وچرا تسلیم کر لینا فرض ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا	اور دیکھو کسی مومن مرد عورت کو اللہ اور اس
قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ	کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا
يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ	کوئی اختیار باقی نہیں رہتا (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ
وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ	اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا
ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا. (الاحزاب:۳۶)	وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى	قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہوسکتے
يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ	جب تک تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم
ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ	نہ مان لیں۔پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان
حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ	سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ
وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. (النساء:۶۵)	پائیں اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

رسول کیا ہوتا ہے، اس کا مقام ومنصب کیا ہوتا ہے، مذکورہ صدر آیاتِ کریمہ پڑھنے کے بعد ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اللہ کا رسول کوئی عام مصلح اور ریفارمر نہیں ہوتا کہ جس کے فیصلہ سے اختلاف نہ کیا جا سکے بلکہ وہ اللہ کا فرستادہ ہوتا ہے۔ اس کا ہر فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ وہ دنیا کے تمام انسانوں سے ممتاز و بلند ہوتا ہے۔ کوئی بھی انسان چاہے علم وفن میں کتنا ہی اونچا مقام کیوں نہ رکھتا ہو، رسول کی اطاعت وفرماں برداری سے آزاد نہیں ہو سکتا۔

تمت

تصنیفات

لفظ کملی کا شرعی و ادبی جائزہ

اسلام کا نظریۂ حیات و ممات

(حصہ اول)

حیات بعد الممات

(حصہ دوم)

ربوبیتِ الٰہیہ اور بعثتِ انبیاء

آنے والی تصنیفات

اسلام منزل بہ منزل

آدابِ زندگی

به تعاون

غلام حسین اینڈ سنس

مبارک پور۔ اعظم گڈھ

Printed By: "ZARNIGAR" Varanasi. Ph:2393131. Mob:3128764